خطباتِ فقیر جلد ۲۳

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۲۳)

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

مرتب ——— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
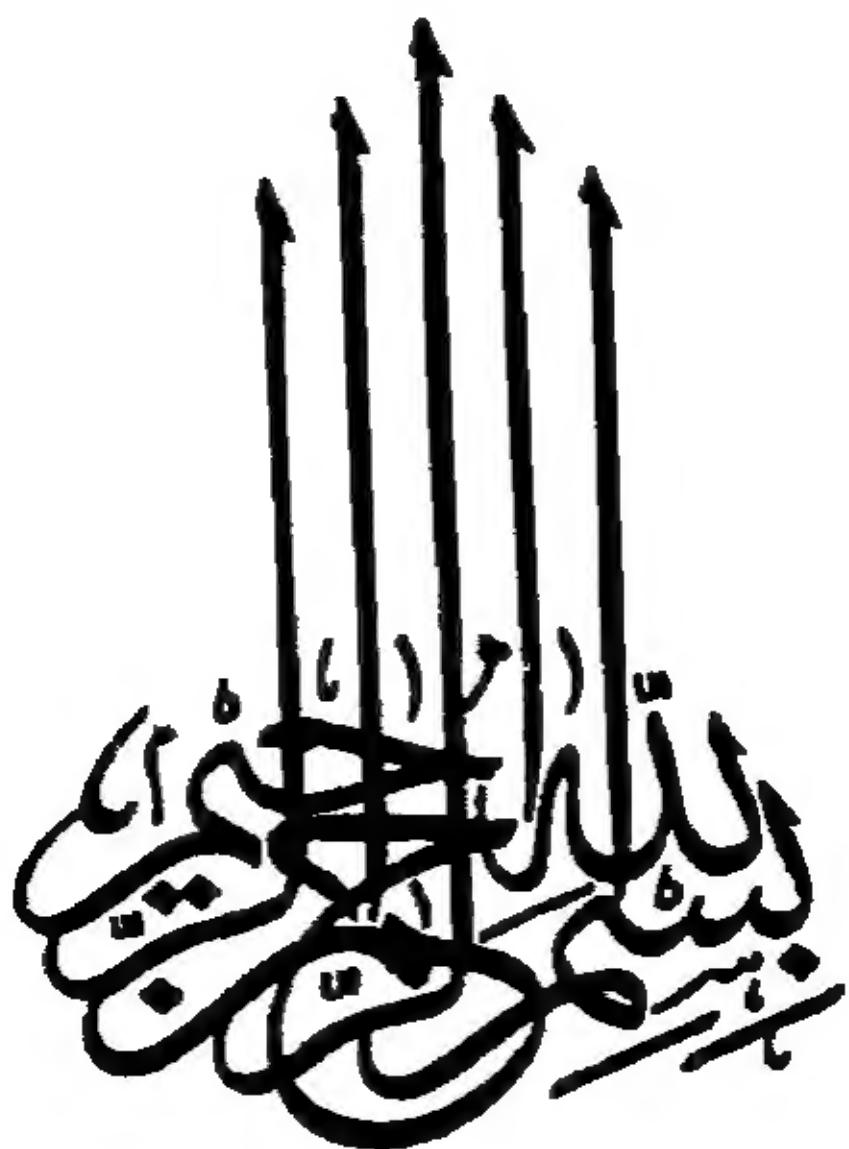
اشاعت دوم ——— جون 2010ء

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— جامعۃ الحبیب
شاداب کالونی فیصل آباد

پروف ریڈنگ ——— حضرت مولانا مفتی شاکر الرحمٰن نقشبندی

تعداد ——— 1100

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
بندے سے، اللہ کی محبت کی چھ نشانیاں	40
① اللہ سے ملاقات کا شوق	40
② خلوت میں مناجات	41
③ مشکلات پر صبر کرنا	41
④ محبوب کے تذکرے سے دل مچل جانا	42
⑤ اللہ کے کلام سے محبت ہونا	42
⑥ اپنی محنت اور ریاضت کو کم سمجھنا	43
محبت کے بارے میں علما کے اقوال	44
محبت کی کیفیت احادیث کی روشنی میں	48
محبت میں دل خود بولتا ہے	53
رابعہ بصریہ ؒ کے اللہ سے محبت کے واقعات	53
محبت بھری مناجات	57
محبت، منصور بن حلاج کی نظر میں	58
محبت الٰہی میں اتنا استغراق!!!	59
ہر سوال کے جواب میں محبوب کا تذکرہ	61
لو گریہ	62
مخلوق کی محبت کا یہ عالم!!!	63
رائی کے دانے کے برابر محبت کا مقام	65
لمبا سجدہ کرنے کی وجہ	65
اہل محبت کے لیے مژدہ جانفزا	59

عنوان	صفحہ نمبر
محبین کو پکارنے کا محبت بھرا انداز	66
محبت بکھیرتے اشعار	66
عشق کی پڑیا کہاں سے ملتی ہے؟	67
مراقبہ یا پریم پیالہ	68
پینے سے پہلے پینے والے	68
شراب الفت کی بندری	69
بوڑھوں میں شراب الفت کی طلب	69
لکھے پڑھے لوگوں میں شراب الفت کی طلب	70
خطا کاروں میں شراب الفت کی طلب	71
اس وقت کی قدر کر لیجیے	72
محبت الٰہی سے سرشار کلام	73
تیری اک نگاہ کی بات ہے	76
② نبی رحمت ﷺ کے دائمی معجزے	77
وقت کے تقاضوں کے مطابق معجزے	79
دائمی نبوت اور دائمی معجزے	81
جمرات سے کنکریاں اٹھ جانے کا معجزہ	81
آب زم زم کا معجزہ	82
چاند اور دائمی معجزے	84
① قرآن مجید	84
قرآن مجید کو مٹانے کی ناکام کوششیں	84

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ تیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر۔

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحب دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیت عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی

بھی اصلاح ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کیا کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم و حکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئینِ کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہ خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہلِ دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہلِ ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر سیف اللہ نقشبندی
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے ع

"قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے،

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما طلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

(البقرة:١٦٥)

محبتِ الٰہی

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

دوسری علامت محبت کی یہ ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کبھی کبھی آزماتے بھی ہیں۔ اور یہ آزمانا سمجھ میں بھی آتا ہے۔ آپ پانچ روپے کا تربوز لیتے ہیں اور اس کو ٹھونک کر دیکھتے ہیں کہ اندر سے کچا ہے کہ پکا۔ پندرہ روپے کا گھڑا خریدتے ہیں اور ٹھونک کر دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے کہ پکا۔ اگر ہم دس پندرہ روپے کی چیز کو ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ کچی ہے یا پکی، تو اللہ تعالیٰ بھی ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے کہ پکا۔ کہیں دودھ پینے والا مجنوں تو نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کی طرف کبھی کبھی مشکل حالات بھیج دیتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ ان مشکل حالات میں میرا یہ بندہ کیا کرتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محبتِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (البقرة:۱۶۵)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (البقرة:۱۶۵)

’’اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔‘‘

یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔

محبت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے اور حدیث مبارکہ میں بھی استعمال ہوا ہے۔

لفظ ’’حب‘‘ کا استعمال:

محبت کا مادہ دو حروف سے مل کر بنا ہے۔ ’’حا‘‘ اور ’’با‘‘۔ حُــب۔ عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے...... یہ عربی زبان کی خوب صورتی ہے کہ ایک ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے...... یہ ’’حب‘‘ کا لفظ پانچ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

①......اَلصَّفَا وَ الْبَیَاض ۔صفائی اور سفیدی ۔عرب لوگ اس لفظ کو صفائی اور سفیدی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔جیسے دانتوں کی صفائی اور سفیدی کے لیے کہتے ہیں:

لِصَفَاءِ بَيَاضِ الْأَسْنَانِ وَنَضَارَتِهَا حَبَبُ الْأَسْنَانِ

②......اَلْعُلُوُّ وَالظُّهُوْرُ۔ بلندی ۔اسی حب کے لفظ سے ''حباب'' لفظ بنا ہے۔ جس کا معنی ہے، بلبلہ۔اور آپ جانتے ہیں کہ بلبلے کے اندر بلندی ہوتی ہے۔

③......اَللُّزُوْمُ وَالثَّبَاتُ ۔جب کوئی اونٹ ضد کر کے بیٹھ جائے اور اٹھانے پہ بھی نہ اٹھے تو کہتے ہیں: ''حَبَّ الْبَعِيْرُ'' اونٹ ضد کر کے بیٹھ گیا۔اِذَا بَرَكَ وَلَمْ يَقُمْ۔ جب دو زانوں بیٹھ گیا اور کھڑا نہیں ہوتا، تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

④......اَللُّبُّ ۔لب کہتے ہیں خلاصے کو۔ یہ لفظ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسے لبِّ لباب۔

⑤......اَلْحِفْظُ وَالْإِمْسَاكُ جیسے برتن میں پانی ڈال دو تو برتن پانی کو روک لیتا ہے۔اس کے لیے عرب لوگ کہتے ہیں: حُبُّ الْمَاءِ لِلْوِعَاءِ

اگر حقیقت پوچھیے تو محبت میں یہ پانچوں صفتیں ہیں۔

❶......محبت صفائی مانگتی ہے، غیر کی میل برداشت نہیں کرتی۔اگر ایک نقطہ کے برابر بھی غیر کی محبت ہو تو محبوب برداشت نہیں کر سکتا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دیں گے لیکن شرک کو معاف نہیں کریں گے۔

❷......محبت کے اندر بلندی بھی ہے۔

❸......اس کے اندر لزوم اور ثبات بھی ہے۔

❹......یہ دل کا خلاصہ بھی ہے۔

❺......یہ دل کو بھر بھی دیتی ہے۔جس دل میں یہ ہوتی ہے اس پر چھا جاتی ہے۔

دو علمی نکات:

حُــــبٌ کے لفظ میں دو علمی نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ''حا'' حلق سے نکلتا ہے، یہ حروف حلقی میں سے ہے اور ''با'' ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور یہ حروفِ شفویہ میں سے ہے۔ ''حا'' مخارج کی ایک انتہا سے ادا ہوتا ہے اور ''با'' مخارج کی دوسری انتہا سے ادا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ محبت ایسی چیز ہے کہ ابتدا بھی محبوب سے ہوتی ہے اور انتہا بھی محبوب ہی پر ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو ''حب'' کہتے ہیں۔ ویسے بھی آپ دیکھیں کہ اگر حب کا لفظ بولا جائے تو دونوں ہونٹ آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہ محبت بھی دو دلوں کو ملا دیا کرتی ہیں۔

اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے۔ حرکات یعنی ضمہ، فتحہ، اور کسرہ میں سے جو فتحہ (زبر) ہوتی ہے اس کو اخف الحرکات کہا جاتا ہے۔ بہت آسان حرکت۔ اس لیے جب بچہ بولتا ہے تو ایسا لفظ بولنا اس کے لیے آسان ہوتا ہے جس کے شروع میں فتحہ (زبر) ہوتی ہے۔ جیسے: ابا، اماں، اللہ، یہ الفاظ بچہ جلدی بول لیتا ہے۔ لیکن ان حرکات میں سے جو سب سے مشکل حرکت ہے، اسے اشد الحرکات کہتے ہیں، اور وہ ضمہ (پیش) ہے۔ اب دیکھیں کہ ''حُب'' کے لفظ کے اندر کون سی حرکت ہے؟ حرکت شدیدہ ہے۔ یہ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ حب کی کیفیت میں ہمیشہ شدت ہوتی ہے۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن
محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے
خبردار ہو! اس میں جدت نہیں ہے

محبت کے مراتب

محبت کے کچھ مراتب ہوتے ہیں:

۱......تعلق ہونا:

محبت کی ابتدائی کیفیت کو "علاقہ" کہتے ہیں۔ "اَلْعِلَاقَۃ" یعنی کسی سے ایک تعلق محسوس ہونا۔

۲......ارادہ ہونا:

پھر یہی کیفیت کچھ اور بڑھتی ہے تو "ارادہ" کہلاتی ہے۔ کہ بندہ ارادۃً کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسے کہتے ہیں:

هِيَ مَيْلُ الْقَلْبِ إِلَى مَحْبُوْبِهٖ

"دل کا اپنے محبوب کی طرف مائل ہو جانا"

۳......کھنچ پڑنا:

پھر جب یہ کیفیت اور بڑھتی ہے تو اسے "اَلصَّبَابَة" کہتے ہیں۔ الصبابۃ کا معنیٰ ہے: کھنچ پڑنا یعنی کھچ پڑتی ہے۔ جیسے: پانی گہرائی کی طرف کھچا ہوا جاتا ہے ایسے ہی محفل میں لوگ بیٹھے ہوں گے لیکن دل ایک طرف کھچا جا رہا ہوگا۔

۴......لازم ہو جانا:

اس کیفیت کا چوتھا درجہ "اَلْغَرَامُ" کہلاتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے: لازم ہو جانا۔ جیسے کہا گیا:

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (الفرقان:۶۵)

⑤......محبت محسوس ہونا:

یہ کیفیت جب اور زیادہ بڑھتی ہے تو اس کو ''الـــوِداد'' کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے اسماء الحسنٰی میں سے ایک نام ''الودود'' بھی ہے۔ جب یہ محبت خالص ہوتی ہے تو اس کو ''وِداد'' کہا جاتا ہے۔

⑥......دل تک پہنچ جانا:

پھر جب یہ اور زیادہ بڑھتی ہے تو اس کو ''الشَّغَفُ'' کہتے ہیں۔ شغف کہتے ہیں: غلاف کو، یعنی یہ دل کے غلاف تک پہنچ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ (یوسف:۳۰)

⑦......عشق ہو جانا:

ساتویں درجے کو ''العشق'' کہا جاتا ہے۔ یہ جو قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

اس میں محبت کی جس شدت کی بات کی گئی ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔ حدیث پاک میں بھی عشق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں تو عام استعمال ہوتا ہے۔ پیلے رنگ کی ایک بیل ہوتی ہے، اسے عربی زبان میں ''عشق'' کہتے ہیں۔ بسا اوقات وہ درختوں کے اوپر پھیلی ہوئی نظر بھی آتی ہے۔ جس درخت کے اوپر یہ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے اس درخت کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہی انسان کے عشق کا معاملہ ہے۔ کیونکہ عشق کے اندر بسا اوقات انسان اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں صراحتاً عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، بس اتنا کہہ دیا گیا کہ محبت کی شدت ہونی چاہیے۔ مگر یہ ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو بے

اختیار کر دیتی ہے۔ ایک روایت میں ہے:

((وَ رُفِعَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ شَابٌّ۔ وَ هُوَ يَعْرِفُهُ۔ قَدْ صَارَ كَالْخِلَالِ فَقَالَ: مَا بِهٖ؟ قَالُوْا: اَلْعِشْقُ، فَجَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَامَّةَ دُعَائِهٖ بِعَرَفَةَ اَلْاِسْتِعَاذَةَ مِنَ الْعِشْقِ))

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوجوان کو لایا گیا۔ وہ نوجوان پتلا ہو ہو کر خلال کی مانند بن گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ ان لوگوں نے بتایا کہ اسے عشق ہے (یہ بیمار عشق ہے)۔ اس کے بعد ابنِ عباس رضی اللہ عنہ عرفہ میں مستقل یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میں عشق سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

یہ مخلوق کا عشق اس قدر بری چیز ہے کہ یہ انسان کو نہ دین کا چھوڑتا ہے اور نہ دنیا کا چھوڑتا ہے۔

﴿۸﴾......سجدہ کرنے کو جی چاہنا:

محبت کا آٹھواں درجہ ''اَلتَّتَيُّم'' ہے۔ هُوَ التَّعَبُّدُ۔ کہ انسان اپنے محبوب کو اپنا آئیڈیل بنانے کے بعد اس کو پوجتا ہے۔ اس کے آگے سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تو مومن جو اللہ رب العزت کو سجدہ کرتا ہے، وہ محبت کی اس کیفیت کی وجہ سے کرتا ہے۔

﴿۹﴾......عبادت کرنا:

اس سے اگلا درجہ ''اَلتَّعَبُّدُ'' ہے۔ اسی لیے عبودیت، انسان کے لیے سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ نبی علیہ السلام کے لیے بھی قرآن مجید میں ''عبد'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جیسے:

(۱)......﴿لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (الجن:۱۹)

(۲)......﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

یہ عبد کا لفظ استعمال ہونا، ایک فضیلت کی بات ہے۔

⑩...... اپنا خلیل بنالینا:

محبت کا آخری درجہ "اَلْخُلَّةُ" ہے۔ اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنا خلیل بنایا اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنایا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا))

"بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا"

ایک جگہ پر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِیْلًا))

"اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔"

لیکن آگے فرمایا:

((وَلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ))

"لیکن تمہارا صاحب تو اللہ کا خلیل ہے"

یہ محبت کا سب سے زیادہ بڑا اور انتہائی درجہ ہے۔

محبت کرنے والوں کی چار نشانیاں

اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ بندے مجھ سے محبت کریں اور میں اپنے بندوں سے محبت کروں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ﴾ (المائدۃ:۵۴)

"اے ایمان والو! اگر تم دین سے پیٹھ پھیرو گے (پیچھے ہٹو گے) تو اللہ

عنقریب ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی منشا بتادی کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے محبت کرو، ہم تم سے محبت کریں گے۔ آگے ایسے بندوں کی اللہ تعالیٰ نے چار نشانیاں بھی بتا دیں۔

❶......ارشاد فرمایا:

﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدۃ:۵۴)

"ایمان والوں کے سامنے وہ پست ہوں گے (جھکے ہوئے ہوں گے)"

گویا جس کو اللہ رب العزت سے محبت ہوتی ہے اس کے اندر عاجزی ہوتی ہے۔

❷......دوسری نشانی یہ بتائی:

﴿ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدۃ:۵۴)

"کافروں کے اوپر غالب ہوں گے"

اسی کو کسی نے یوں کہا ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ یوں فرمایا:

﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح:۲۹)

"کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم جو ہیں"

❸......تیسری صفت یہ بیان فرمائی:

﴿ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

''وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔''

جہاد چار طرح کا ہوتا ہے:۔

☆......ایک اپنے نفس کے ساتھ جہاد۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ))

اللہ کی اطاعت میں نفس سے جہاد کرنا۔

☆......دوسرا، کافروں کے ساتھ جہاد کرنا۔

☆......تیسرا، اپنے مال کے ذریعے سے جہاد کرنا۔ اور

☆......چوتھا، اپنی زبان کے ذریعے سے جہاد کرنا۔

چنانچہ جو آدمی جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہہ دے، یقیناً وہ بڑا مجاہد ہوتا ہے۔ تو یہ چاروں طرح کا جہاد کرنا مومن کی صفت ہوتی ہے۔

۴......اور آخری نشانی یہ بتائی:

﴿ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اور وہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔''

جیسے آج کے دور میں دین پر عمل کرنے والے کو ہر ''روشن خیال'' ملامت کرتا ہے۔ کیا مولوی بنے پھرتے ہو؟ کیا ملا بن گئے ہو؟ ان کو یہ ملامت اللہ کے لیے برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے وہ اس کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔

محبت کے جواب میں محبت کا تحفہ:

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُهٗ عَلَيْهِ))

''اور میرے بندے کو میرا جو قرب فرائض سے ملتا ہے وہ کسی دوسرے عمل سے نہیں ملتا۔''

یہ قرب بالفرائض کہلاتا ہے۔ لیکن

((وَ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ))

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا اتنا قرب پالیتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔''

دیکھیں! آپ کا ڈرائیور آٹھ گھنٹے آپ کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اس سے آپ کے دل میں اس کی محبت نہیں آتی۔ لیکن اگر اس نے اپنے گھر سے آتے ہوئے راستے میں کہیں اچھا شہد دیکھا اور ایک بوتل آپ کے لیے خرید کر لایا اور آ کر کہے: جی! بڑا اچھا شہد مل رہا تھا، یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔ آپ اس کو پیسے بھی دیتے ہیں اور اپنے دل میں اس کی محبت بھی محسوس کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اپنے ذاتی وقت میں آپ کے لیے کام کیا۔ اسی طرح نوافل ایسی عبادت ہے جو مومن اپنے ذاتی وقت میں اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ محبت کا سبب بنتے ہیں۔

پھر بندہ اللہ تعالیٰ کے کتنا قریب ہو جاتا ہے؟ فرمایا:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ

''میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔''

وَ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ

''اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔''

وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا

''اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

وَ رِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا

''اور ٹانگیں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔''

وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ

''اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں۔''

وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ

''اور اگر وہ کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ عطا کرتا ہوں۔''

سبحان اللہ! یہ مقام محبت ہے۔ آپ سوچیے کہ بندے کے لیے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ رب کائنات یہ فرمائیں کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں...... اللہ اکبر کبیرا...... مومن کو اس سے بڑی بلندی اور کوئی نصیب نہیں ہوسکتی کہ اللہ رب العزت اس کے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔

محبت الٰہی کیسے بڑھتی ہے؟

علما نے لکھا ہے کہ چند اسباب ایسے ہیں کہ جن سے یہ محبت بڑھتی ہے۔

①......تلاوتِ قرآن سے:

محبت بڑھنے کا پہلا سبب ہے:

قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ بِالتَّدَبُّرِ وَالتَّفَهُّمِ

''قرآن مجید کو غور اور فکر کے ساتھ پڑھنا۔''

اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ محبوب سے جتنی زیادہ ہم کلامی کریں گے اتنی زیادہ محبت بڑھے گی۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی تلاوت اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرنے کی مانند ہے۔

②......نوافل سے:

محبت الٰہی بڑھنے کا دوسرا سبب ہے:

اَلتَّقَرُّبُ اِلَی اللّٰہِ بِالنَّوَافِلِ بَعْدَ الْفَرَائِضِ

''فرائض کے بعد نوافل ادا کرنے سے''

تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، شکر کے نوافل، صلوٰۃ الحاجات، یہ سب نوافل ہیں۔ جب موقع ملے فوراً اللہ رب العزت کے حضور نیت باندھ کے کھڑے ہو جائیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ کس جگہ کا کیا ہوا سجدہ ہمارے پروردگار کو پسند آ جائے۔ تو نوافل کے ذریعے سے اپنے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کریں۔

۳......کثرتِ ذکر سے:

اس کا تیسرا سبب ہے:

دَوَامُ ذِكْرِهٖ عَلٰى كُلِّ حَالٍ بِاللِّسَانِ وَ الْقَلْبِ

''ہر حال میں زبان سے بھی اللہ کے تذکرے کرنا اور دل میں بھی اللہ کو یاد کرنا''

اس لیے کہ ذکر کی کثرت، دل میں مذکور (جسکا ذکر کیا جائے) کی محبت پیدا کر دیتی ہے۔ جس چیز کا آپ نام لینا شروع کر دیں اس چیز کا آپ دل میں ایک تعلق سا محسوس کریں گے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کے سامنے آئس کریم کا تذکرہ شروع کر دیا جائے تو ہر بندے کا دل للچانے لگے گا کہ اگر مل بھی جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ذکر کی کثرت کا حکم دیا ہے:

﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب:۴۱)

''اللہ کا ذکر کرو کثرت کے ساتھ۔''

کیونکہ کثرتِ ذکر سے اللہ رب العزت کی محبت میں شدت آتی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ تم اتنی محبت کرو کہ:

حَتّٰی یُقَالَ: اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ

''حتی کہ یہ کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ ہو گیا ہے۔''

دیوانگی کی حد تک اللہ سے محبت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے...... اللہ اکبر کبیرا!

ایک ہوتا ہے قانونی تعلق اور ایک ہوتا ہے جنونی تعلق۔ قانونی تعلق تو یہ ہوا کہ میاں بیوی ہیں لیکن ایک دوسرے سے طبیعت نہیں بنتی۔ خاوند کی طبیعت کہیں اور ہے، لیکن بیوی گھر میں ہے، بچوں کی ماں ہے، اس لیے بس گزارا ہی ہو رہا ہے۔ اکٹھے بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھاتے، ایک دوسرے سے میل ملاپ کا سلسلہ بند ہے، بس مہینے کی تنخواہ دے دی کہ گھر چلاؤ، بچوں کا نظام چلاؤ۔ شادی بیاہ میں دونوں میاں بیوی بن کر چلے گئے۔ اپنے گھر میں دعوت کی تو میاں بیوی بن کے ان کی میزبانی کر لی۔ عورت بھی گھر کے سارے کام کر رہی ہے اور خاوند صاحب بھی خرچہ وغیرہ دے رہے ہیں اور لوگوں کی نظر میں اپنی شادی کو دکھا رہے ہیں۔ یہ قانونی تعلق ہے۔

ایک جنونی تعلق بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ پسند کی شادی کی، ابتدائی دنوں میں تو ایسا جوش و جذبہ ہوتا ہے کہ اس کے بغیر آرام ہی نہیں آتا۔ چنانچہ پہلے دفتر میں دس بجے جاتے تھے، اب بارہ بجے جاتے ہیں اور جاتے ہی پہلا فون بزنس کا کرنے کی بجائے بیوی کو کرتے ہیں۔ اور درمیان میں بھی دو چار بزنس فون اور پانچواں بیوی کو۔ جی! آپ ٹھیک ہیں، اب کیا کر رہی ہیں؟ فون پہ کمنٹری ہو رہی ہوتی ہے۔ اور پہلے شام پانچ بجے گھر آتے تھے اب تین بجے ہی بھاگتے ہیں۔ کئی مرتبہ ماں باپ کے پاس بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ تو جوانوں کی شادی کا پہلا سال تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندو! تم مجھ سے قانونی تعلق تو رکھو گے ہی سہی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں، لیکن میری چاہت ہے کہ تم میرے ساتھ جنونی تعلق رکھو۔ تمہیں بیٹھے میں یاد آؤں، کھڑے میں یاد آؤں، چلتے میں یاد آؤں، ہر وقت

تمہارے دل میں میری یاد ہو۔تم میرے لیے اداس ہوا کرو،تم مجھے مس کرو،میری ہی یاد میں تمہاری آنکھوں میں سے آنسو نکلیں،میرا ہی خوف دل میں ہو،میری ہی محبت دل میں ہو۔جو کام بھی کرو بس میرے لیے ہی کرو۔حتی کہ

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(الانعام:۱۶۲)

کا نمونہ بن جاؤ۔اللہ تعالیٰ بندے سے ایسا تعلق چاہتے ہیں۔اور کثرت ذکر سے یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ہمارے مشائخ اپنی خانقاہوں میں سالکین کو کچھ عرصہ رکھ کر ذکر کی کثرت کرواتے تھے،مخلوق سے کاٹتے تھے۔کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ (المزمل:۸)

''اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور اس کی طرف تبتل اختیار کر''

جب تک تبتل نہیں ہوگا اس وقت تک اللہ رب العزت کی محبت کا لطف اور مزہ نہیں آئے گا۔اس لیے اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی بھی کوشش کرے اور ساتھ ادھر بھی دل پھنسا ہوا ہو،ادھر بھی دل پھنسا ہوا ہو،تو محبت کا مزہ اسے حاصل نہیں ہوگا۔یہ رسمی باتیں تو کر لیتا ہے مگر دل کی وہ کیفیت نہیں ہو سکتی جو ہونی چاہیے۔

ذکر،انسان کو مخلوق سے کاٹ دیتا ہے اور اپنے مالک سے جوڑ دیتا ہے اس لیے بعض نوجوان جو مخلوق کی نفسانی،شیطانی اور شہوانی محبتوں میں پھنس جاتے ہیں ان کے لیے اس سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ ذکر کریں۔ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ خود بخود دل کی حالت کو بدل دیتے ہیں۔وہ جو دل پر کسی کا غلبہ ہوتا ہے وہ آٹومیٹک ختم ہو جاتا ہے اور بالآخر اللہ کی محبت غالب آجاتی ہے۔

۴......محبوب کی چاہت کو اپنی چاہت پر ترجیح دینے سے:

اللہ کی محبت بڑھنے کا چوتھا سبب فرمایا:

اِیْثَارُ مَحَابِّهٖ عَلٰی مَحَابِّكَ عِنْدَ غَلَبَاتِ الْهَوٰی

جب اپنے دل کی چاہتوں کو پورا کرنے کا دل کے اندر داعیہ پیدا ہو چکا ہو تو محبوب حقیقی کی چاہتوں پر ترجیح دینی چاہیے۔ اپنی چاہتوں کی اس قربانی پر انسان کو اللہ رب العزت کی محبت نصیب ہو جائے گی۔

مثلاً، دل تو چاہ رہا ہے آرام کرنے کو لیکن کوئی دینی تقاضا ایسا سامنے آ گیا کہ سفر کرنے میں یا کسی سے ملاقات کرنے میں دینی فائدہ معلوم ہوتا ہو تو اپنے آرام کو اللہ کے لیے ترک کر دے۔ یہ چیز دل میں محبتِ الٰہی بڑھنے کا باعث بن جائے گی۔

۵......اللہ کے اسما اور صفات میں غور کرنے کے ذریعے:

پانچواں سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مُطَالِعَةُ الْقَلْبِ لِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ

"اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات میں غور کرنا"

اللہ رب العزت کن کن صفات والے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جس میں جتنی زیادہ صفات ہوتی ہیں بندے کو اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو اپنی صفات میں کامل ہیں۔ لہٰذا اللہ رب العزت کی ان صفات میں غور کرنے سے مومن بندے کے دل میں اس کی محبت اور زیادہ ہوتی ہے۔

۶......اللہ کی نعمتوں میں غور کرنے کے ذریعے:

اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے کا چھٹا سبب یہ ہے:

مُشَاهَدَةُ بِرِّهٖ وَ اِحْسَانِهٖ وَ آلَائِهٖ

”اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں میں غور کرنا۔“

اللہ تعالیٰ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔اس نے ہمیں بن مانگے بے شمار نعمتیں دی ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ ہمیں:

......بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے

......گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے

......سماعت نہ دیتے تو بہرے ہوتے

......سر پر بال نہ دیتے تو گنجے ہوتے

......ہاتھ پاؤں ٹھیک نہ دیتے تو لولے لنگڑے ہوتے

......لباس نہ دیتے تو ننگے ہوتے

......کھانا پینا نہ دیتے تو بھوکے پیاسے ہوتے

......گھر نہ دیتے تو بے گھر ہوتے

......اولاد نہ دیتے تو لاولد ہوتے

......مال نہ دیتے تو فقیر ہوتے

......صحت نہ دیتے تو بیمار ہوتے

......عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے

آج ہم جو عزتوں بھری زندگی گزارتے پھرتے ہیں یہ سب اس مولا کا کرم اور احسان ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کی ان نعمتوں پر غور کیا کریں۔ہم پر اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتیں فرمائی ہوئی ہیں۔دل بھی چاہتا ہے کہ انسان اپنے محسن کے ساتھ محبت کرے۔کیونکہ

اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ

”انسان،احسان کرنے والے کا غلام بن جاتا ہے۔“

⑦......ٹوٹے ہوئے دل کے ذریعے:

اللہ کی محبت کو بڑھانے والی ساتویں چیز یہ ہے:

وَ هُوَ مِنْ اَعْجَبِهَا اِنْكِسَارُ الْقَلْبِ بِكُلِّيَّتِهٖ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى

جب بندہ یوں اپنے آپ کو ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اللہ رب العزت کے حضور پیش کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت ملنے کا باعث بن جائے گا۔

⑧......تنہائی میں دعائیں مانگنے کے ذریعے:

آٹھویں چیز کیا ہے؟ فرمایا:

اَلْخَلْوَةُ بِهٖ وَقْتَ النُّزُوْلِ الْاِلٰهِيِّ لِمُنَاجَاتِهٖ وَتِلَاوَةِ كَلَامِهٖ

''تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے لو لگائے، دعائیں مانگے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے۔''

تنہائی کی ان دعاؤں میں کیا مانگے؟ اللہ سے محبت مانگے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کو اس کی تعلیم بھی دی۔ کیا دعا سکھائی؟

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت چاہتا ہوں''

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

اس لیے انسان اللہ رب العزت سے اس کی محبت مانگے اور پھر ایسے کام کرے جو اس کی رضا ملنے کا سبب بنیں۔

⑨......محبین کی صحبت اختیار کرنے کے ذریعے:

نویں چیز، جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے، وہ یہ ہے:

مُجَالَسَةُ الْمُحِبِّيْنَ الصَّادِقِيْنَ

"محبین صادقین کی صحبت اختیار کرے۔"

دیکھیں! جب لوہے کے ٹکڑے کو مقناطیس کے پاس لایا جاتا ہے تو اس کی اندر بھی مقناطیسیت آجاتی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کے دل مقناطیس کی مانند ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے مقناطیس بن چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے جو بندہ بھی آکر ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے اپنے دل میں بھی وہ مقناطیسیت آجاتی ہے۔ جیسے جلتے ہوئے چراغ کے ساتھ چراغ لگاؤ تو وہ بھی روشن ہو جاتا ہے ۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کر دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

یہ آگ خود بخود نہیں لگتی۔ کسی روشن چراغ کے ساتھ چراغ کی بتی لگانی پڑتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ دل کا چراغ جلا دیتے ہیں۔ تو اللہ سے محبت کرنے والوں کی چند لمحوں کی صحبت انسان کے دل کی ظلمت کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ دل پر ظلمت کی جو میل آئی ہوتی ہے وہ مٹ جاتی ہے۔ اللہ والوں کی صحبت ایسی نعمت ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة:۱۱۹)

دیکھو! یہ کُوْنُوْا امر کا صیغہ ہے۔ حکماً فرمایا جا رہا ہے کہ تم ان کے ساتھ بیٹھو تاکہ تمہیں بھی اس محبت کی کچھ لذت محسوس ہو۔

⑩...... اللہ کے راستے میں رکاوٹ دور کرنے کے ذریعے:

محبتِ الٰہی میں اضافے کے لیے دسویں چیز کیا ہے؟ فرمایا:

مُبَاعَدَةُ كُلِّ سَبَبٍ يَحُوْلُ بَيْنَ الْقَلْبِ وَ بَيْنَ اللّٰهِ

"ہر وہ چیز جو بندے کے دل اور اللہ کے درمیان رکاوٹ بن رہی ہو اس کو ہٹا

دینا۔"

چاہے وہ کوئی بھی چیز ہے، اسے ہٹا دیا جائے کیونکہ وہ اللہ رب العزت کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے۔

ایک زریں اصول:

ہمارے مشائخ نے ایک اصول بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَهِيَ مَحَبَّةٌ تَنْبُتُ مِنْ مُطَالَعَةِ الْمِنَّةِ وَتَثْبُتُ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَتَنْمُو عَلَى الْإِجَابَةِ بِالْفَاقَةِ

"یہ محبت دل کے اندر اگتی ہے جب (اللہ کے) احسانات میں غور کیا جاتا ہے، اور یہ دل میں جم جاتی ہے جب انسان سنت کی اتباع کرتا ہے اور یہ قبولیت کی طرف بڑھتی ہے فاقے کے ذریعے سے"

انسان جب نفلی روزہ رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور بھی دل میں آجاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ پیٹ بھرنے سے شہوات بڑھتی ہیں اور شہوات انسان کو مخلوق کی طرف کھینچتی ہیں اور خالی پیٹ رہنے سے شہوات ٹوٹتی ہیں اور مستیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے خود بخود توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے۔ فاقہ سے انسان کے اندر عاجزی بھی آتی ہے۔

ایک بزرگ فاقے کے بڑے فضائل بیان کر رہے تھے۔ کسی نے کہا: حضرت! عجیب بات ہے، یہ بھی کوئی فضیلت کی چیز ہے؟ فرمانے لگے: "ہاں! اگر فرعون کو کبھی فاقہ آیا ہوتا تو کبھی بھی وہ خدائی کا دعویٰ نہ کرتا" حقیقت بھی یہی ہے کہ جو فاقے سے رہتا ہے وہ اپنے آپ میں رہتا ہے۔ اسے اپنی اوقات یاد رہتی ہے کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔

بندے سے اللہ کی محبت کی تین نشانیاں

جب بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی بندے کے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔ اب کیسے پتہ چلے کہ کس بندے سے، اللہ کی محبت ہے۔ علما نے تین ایسی نشانیاں لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں بندے سے اللہ رب العزت محبت فرماتے ہیں۔

(۱) زمین میں قبولیت:

پہلی نشانی یہ ہے:

اَلْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ

''زمین میں قبولیت''

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پیارے بندے کو دنیا میں قبولیت عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ))

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذمے مختلف امور سرانجام دینے کی ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے۔

......انبیا کی حفاظت کرنا

......ایمان والوں کی مدد کرنا

......انبیا کی طرف وحی لے کر آنا

اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کی ایک ڈیوٹی یہ بھی ہے کہ وہ فرشتوں میں موذّن ہیں۔یعنی وہ اناؤنسمنٹ (اعلان) کرتے ہیں۔جیسے مسجد میں اناؤنسمنٹ ہوتی ہے۔ وہ اناؤنسمنٹ بھی ہر بندہ نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص متعین بندہ ہوتا ہے جو اناؤنسمنٹ کرتا ہے۔تو جب اللہ رب العزت نے اناؤنسمنٹ کروانی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتے ہیں۔

((فَقَالَ: اِنِّی اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ))

''اللہ تعالیٰ (جبرئیل علیہ السلام سے) فرماتے ہیں: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے،تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔''

اس لیے کہ یہ اللہ کا محبوب بندہ ہے۔

((ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ))

''پھر وہ آسمان میں ایک آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں ،تم بھی اس سے محبت کرو، پھر اہل آسمان (فرشتے) اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔(پھر وہ اسی طرح زمین میں آکر اعلان کرتے ہیں۔جب یہ اعلان ہوتا ہے تو زمین والوں کے دل بھی اس سے محبت کرتے ہیں) اور پھر اللہ تعالیٰ زمین میں اس کے لیے قبولیت رکھ دیتے ہیں۔''

یوں ہر دل اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ایک تو ظاہرداری ہوتی ہے،نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کرتے ہیں۔اللہ کی مخلوق کھنچی آرہی ہوتی ہے ان کی طرف۔وہ دلوں کے مقناطیس بن جاتے ہیں۔یہ اللہ رب العزت کی محبت کی علامت ہوتی ہے۔

② آزمائش:

دوسری علامت محبت کی یہ ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کبھی کبھی آزماتے بھی ہیں۔ اور یہ آزمانا سمجھ میں بھی آتا ہے۔ آپ پانچ روپے کا تربوز لیتے ہیں اور اس کو ٹھونک کر دیکھتے ہیں کہ اندر سے کچا ہے کہ پکا۔ پندرہ روپے کا گھڑا خریدتے ہیں اور ٹھونک کر دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے کہ پکا۔ اگر ہم دس پندرہ روپے کی چیز کو ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ کچی ہے یا پکی، تو اللہ تعالیٰ بھی ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے کہ پکا۔ کہیں دودھ پینے والا مجنوں تو نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کی طرف کبھی کبھی مشکل حالات بھیج دیتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ ان مشکل حالات میں میرا یہ بندہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ عَظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عَظْمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَاءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ))

’’بڑی آزمائش پر بڑا اجر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب لوگوں سے محبت کرتا ہے تو ان پر امتحان بھیج دیتا ہے۔ پھر جو (اس حال میں بھی) اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور جو ناراض ہو جاتے ہیں (کہ اللہ نے کیا کر دیا) اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔‘‘

③ خاتمہ بالخیر:

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں ان کی تیسری علامت یہ ہے:

اَلْمَوْتُ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ

"اللہ ایسے بندوں کو ہمیشہ اچھی موت عطا فرماتے ہیں"

ان کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا عَسَلَهٗ قَالُوْا وَمَا عَسَلُهٗ؟ قَالَ: يُوَفِّقُ لَهٗ عَمَلًا صَالِحًا بَيْنَ يَدَیْ اَجَلِهٖ حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهُ جِيْرَانُهٗ اَوْمَنْ حَوْلَهٗ

"جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتے ہیں تو عَسَلَہٗ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! عَسَلَہٗ کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو اچھے اعمال کی ایسی توفیق دیتا ہے کہ اس کے گرد رہنے والے یا اس کے پڑوس میں رہنے والے سارے لوگ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (اور اس حال میں اللہ تعالیٰ اس کو موت عطا فرما دیتے ہیں)۔"

گویا اچھی موت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے پر اللہ رب العزت کی نظرِ عنایت ہے۔

ہمارے بہت ہی قریبی محسنوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ وہ ہمارے ایک دوست کے والد تھے۔ وہ اس عاجز سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ان کی ایک ہی چاہت تھی کہ ہر سال حج کروں اور ہر سال رمضان المبارک میں عمرہ کروں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ترپن حج کیے۔ ان کے سارے بال سفید تھے اور اس عاجز کی ایسی عمر تھی کہ اس وقت سارے بال کالے تھے۔ وہ اس عاجز سے کہتے: جی! آپ میرے دوست ہیں۔ مجھے ان کی زبان سے دوست کا لفظ سن کر حیا آتی تھی کہ مجھے اپنا دوست کیسے کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے لیے آپ سے محبت ہے۔

ان کی نیکی اور تقویٰ اللہ تعالیٰ کو ایسے پسند آیا کہ

......رمضان المبارک میں

......روزے کی حالت میں

......مسجد نبوی میں

......اعتکاف کی حالت میں

......ریاض الجنۃ میں

......عصر کی نماز میں، اور

......سجدے کی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر!!!

جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ایسا آخری وقت عطا فرما دیتے ہیں۔

بندے سے، اللہ کی محبت کی چھ نشانیاں

کیسے پتہ چلے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے؟ اس کی بھی چند علامات ہیں۔

(۱) اللہ سے ملاقات کا شوق:

سب سے پہلی علامت ہے :

حُبُّ لِقَاءِ اللّٰہِ

جس بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ))

''جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کا شوق رکھتا، اللہ اس سے ملاقات کرنے کو پسند کرتے ہیں۔''

۲ خلوت میں مناجات:

دوسری علامت یہ ہے:

اَنْ یَّکُوْنَ اُنْسُہٗ بِالْخَلْوَۃِ وَمُنَاجَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی

''اس بندے کو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا بڑا اچھا لگتا ہے۔''

اس بات کو سادہ لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس بندے کو مصلے سے محبت ہوتی ہے۔ ورنہ تو مصلے پر چند منٹ کے لیے بیٹھنا مصیبت نظر آتی ہے۔ پوچھیں کہ مراقبہ کرتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے: جی ہاں! بس دو تین منٹ مراقبہ کرتے ہیں۔ یہ جو مراقبہ بوجھ محسوس ہوتا ہے، تلاوت بوجھ محسوس ہوتی ہے، نماز بوجھ محسوس ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دل میں اللہ کی محبت کتنی ہے۔ جب محبت غالب ہوتی ہے تو پھر بندہ بیٹھا رہتا ہے ؎

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

ایسے لوگ پھر لمبے مراقبے کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، راتوں کو اللہ کے حضور جاگتے ہیں۔ ان کو جلوت کی نسبت خلوت میں زیادہ مزہ آتا ہے۔

۳ مشکلات پر صبر کرنا:

تیسری علامت کیا ہے؟

اَنْ یَّکُوْنَ الْعَبْدُ صَابِرًا عَلَی الْمَکَارِہِ

''کہ بندہ مشکلات آنے پر صبر کرتا ہے''

یعنی وہ اس بات کا مصداق بن جاتا ہے کہ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اگر مشکل بھی آتی ہے تو وہ اس پر بھی اللہ سے راضی ہوتا ہے۔ اپنے دل میں وہ کہتا ہے: اللہ! ؎

ترا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری ہی ہوئی چیز ہے

۴ محبوب کے تذکرے سے دل مچل جانا:

چوتھی علامت یہ ہے:

اَلْمُحِبُّ الصَّادِقُ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ وَجِلَ قَلْبُهٗ وَفَاضَتْ عَيْنَاهُ

''محب صادق کے سامنے جب کوئی اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کا دل تڑپنے لگ جاتا ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔''

جیسے ہی کوئی اس کے سامنے اللہ رب العزت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا دل مچل اٹھتا ہے ؎

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی
جب تیرا کسی نے نام لیا

یہ بھی محبت کی ایک پہچان ہوتی ہے کہ جب دل میں اللہ کا دھیان آتا ہے تو آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی: ؎

آیا ہی تھا خیال کہ آنکھیں چھلک پڑیں
آنسو تمہاری یاد کے کتنا قریب ہیں

۵ اللہ کے کلام سے محبت ہونا:

اللہ تعالیٰ سے بندے کی محبت کی پانچویں علامت ہے:

مُحَبَّةُ كَلَامِ اللّٰهِ

"اللہ کے کلام سے محبت"

ایسے بندے کو قرآن مجید کی تلاوت کرنا بہت ہی محبوب ہوتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ مَحْبُوْبًا کَانَ کَلَامُہٗ اَحَبَّ شَیْءٍ اِلَیْہِ

"جس سے بندہ محبت کرتا ہے اس کا کلام ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتا ہے"

اس لیے اللہ کا کلام اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔

۶ اپنی محنت اور ریاضت کو کم سمجھنا:

پھر چھٹی علامت یہ ہے:

اَنْ یَّسْتَقِلَّ فِیْ حَقِّ مَحْبُوْبِہٖ جَمِیْعَ اَعْمَالِہٖ وَلَا یَرَاھَا شَیْئًا

وہ جتنی بھی عبادت کرتا ہے اور جتنی بھی کوشش کرتا ہے، کر کر کے آخر میں کہتا ہے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور اس کی دلیل...... اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا:

((مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

"اے اللہ! جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق تھا اس طرح ہم عبادت نہ کر سکے"

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے عادتاً چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھیں، پھر حرم شریف میں تشریف لے گئے، طواف کیا، مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ ان دو رکعتوں میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"اِلٰھِیْ! مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِكَ"

ہمارے اکابر اتنی عبادتیں کرنے کے بعد کہتے تھے: اے اللہ! جیسے تیری عبادت کرنے کا حق تھا ہم ویسے تیری عبادت نہیں کر سکے۔

محبت کے بارے میں علما کے اقوال

اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ محبت کے بارے میں محبین (محبت والوں) نے کیا کہا ہے۔ اس سے محبت کی کیفیت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بعض نے فرمایا:

(۱)......اَلْمَحَبَّةُ الْمَيْلُ الدَّائِمُ بِالْقَلْبِ الْهَائِمِ

''محبت یہ ہے کہ دل کی توجہ ہمیشہ محبوب کی طرف رہے، پیاسے دل کے ساتھ''

هَائِم کہتے ہیں، پیاسے کو۔ جیسے قرآن مجید میں ہے ﴿فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ﴾ گویا دل پیاسا ہوتا ہے اور اس پیاسا ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ محبوب کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

(۲)......اِيْثَارُ الْمَحْبُوْبِ عَلٰى جَمِيْعِ الْمَصْحُوْبِ

''محبت یہ ہے کہ جو چیزیں بندے کے پاس ہوں ان سب چیزوں کو انسان اپنے محبوب کے لیے قربان کرتا ہے۔''

(۳)......مُوَافَقَةُ الْحَبِيْبِ فِي الْمَشْهَدِ وَ الْمَغِيْبِ

''وہ محبوب کی موافقت کرتا ہے چاہے وہ سامنے ہو، چاہے اس سے غائب ہو۔''

(۴)......مَحْوُ الْمُحِبِّ لِصِفَاتِهٖ وَ اِثْبَاتُ الْمَحْبُوْبِ لِذَاتِهٖ

''محب کی اپنی صفات مٹ جاتی ہیں اور محبوب کی صفات اس کی ذات میں آجاتی ہیں۔''

(۵)......مُوَاطَاةُ الْقَلْبِ لِمُرَادَاتِ الْمَحْبُوْبِ

''دل کی موافقت محبوب کی چاہتوں کے ساتھ''

(۶)......خَوْفُ تَرْكِ الْحُرْمَةِ مَعَ اِقَامَةِ الْخِدْمَةِ

''انسان محبوب کی خدمت کرتا ہے مگر محبت کی بنا پر ڈرتا بھی ہے کہ کہیں احترام میں کمی نہ کر بیٹھوں۔''

(۷)......اِسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ نَفْسِكَ وَ اسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ حَبِيْبِكَ

''محب جتنا زیادہ محبوب کے لیے کرتا ہے اس کو وہ تھوڑا سمجھتا ہے اور محبوب اگر تھوڑا سا بھی کر دے تو اس کو بہت زیادہ سمجھتا ہے۔''

اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا:

(۸)......اِسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ جِنَايَتِكَ ، وَ اسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ طَاعَتِكَ

''گناہ تھوڑا بھی ہو تو اس کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور اگر نیکیاں بڑی بڑی بھی کر رہا ہو تو ان کو چھوٹا سمجھتا ہے۔''

کہ میں نے تو اتنی نیکیاں بھی نہیں کیں۔

(۹)......مُعَانَقَةُ الطَّاعَةِ وَمُبَايَنَةُ الْمُخَالَفَةِ

''اطاعت سے انسان معانقہ کرتا ہے (مل جاتا ہے) اور مخالفت سے انسان دور ہوتا ہے۔''

اس لیے وہ محبوب کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

(۱۰)......دُخُوْلُ صِفَاتِ الْمَحْبُوْبِ عَلَى الْبَدَلِ مِنْ صِفَاتِ الْمُحِبِّ

''محب کی اپنی صفات کی جگہ پر محبوب کی صفات آنے لگتی ہیں''

جس سے محبت ہوتی ہے بندے کی عادات اطوار اور اخلاق اسی جیسے ہو جاتے ہیں۔

(۱۱)......اَنْ تَهَبَ كُلَّكَ لِمَنْ اَحْبَبْتَ فَلَا يَبْقَى لَكَ مِنْ شَيْءٍ

''کہ تو دے دے سب کچھ جس سے تو محبت کرتا ہے اور اپنے لیے پیچھے کچھ بھی نہ بچا''

جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے فرمان پر اپنا سب کچھ پیش کر دیا تھا۔ پوچھا: پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا: پیچھے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

(۱۳)......اِقَامَةُ الْعِتَابِ عَلَى الدَّوَامِ

''محبوب کا عتاب اس پر دائمی ہوتا ہے۔''

یعنی اگر محبوب غصے میں بھی ہو تو یہ اس غصے کو برداشت کرتا ہے۔ جیسے محبوب کا جمال اچھا لگتا ہے، ایسے ہی محبوب کا جلال بھی اچھا لگتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا تھا:

''محبوب ہنستے ہوئے تو پیارا ہوتا ہے اور جب غصے میں ہوتا ہے تو اور زیادہ پیارا ہو جاتا ہے''۔

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا دی

(۱۴)......اَنْ تَغَارَ عَلَى الْمَحْبُوْبِ اَنْ يُّحِبَّهٗ مِثْلُكَ

''کہ محبوب پر غیرت آتی ہے کہ بس محبت میرے ساتھ کرے، میرے سوا کسی اور کے ساتھ محبت نہ کرے۔''

(۱۵)......اِرَادَةٌ غُرِسَتْ اَغْصَانُهَا فِي الْقَلْبِ فَاَثْمَرَتِ الْمُوَافَقَةَ وَالطَّاعَةَ

''ارادہ ہوتا ہے کہ دل کے اندر ٹہنیاں اگ آتی ہیں اور اس کا ثمر موافقت اور طاعت ہوتی ہے۔''

(۱۶)......اَنْ يَّنْسَى الْمُحِبُّ حَظَّهٗ فِي مَحْبُوْبِهٖ

''کہ محبوب سے اس کو کوئی تقاضا بھی نہیں رہتا۔''

کہتا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ محبوب کے ساتھ محبت کا یہ حال ہوتا ہے۔

(۱۷)......مُجَانَبَۃُ السَّلْوِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

''انسان ہر حال میں تسلی سے الگ ہوتا ہے۔''

یعنی محب کے دل کو کبھی بھی تسلی نہیں ہوتی۔ اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ محبوب ناراض نہ ہو جائے، مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ دل کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل بے قرار رہتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام محبت ہے۔

(۱۸)......تَوْحِیْدُ الْمَحْبُوْبِ بِخَالِصِ الْاِرَادَۃِ وَصِدْقِ الطَّلَبِ

''خالصاً ارادے کے ساتھ اور سچی طلب کے ساتھ محبوب کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے۔''

(۱۹)......سُقُوْطُ کُلِّ مَحَبَّۃٍ مِّنَ الْقَلْبِ اِلَّا مَحَبَّۃُ الْحَبِیْبِ

''دل میں کوئی اور محبتیں ہوں تو وہ سب ختم ہو جاتی ہیں سوائے محبوب کی محبت کے۔''

(۲۰)......غَضُّ طَرْفِ الْقَلْبِ عَمَّا سِوَی الْمَحْبُوْبِ غَیْرَۃً وَّ عَنِ الْمَحْبُوْبِ هَیْبَۃً

''محب، محبوب سے اپنی نگاہیں کسی اور طرف کو نہیں اٹھاتا غیرت کی بنا پر، اور محبوب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں پاتا اس کی ہیبت کی وجہ سے۔''

یہ حالت ہوتی ہے محبت میں!

(۲۱)......اَلْمَحَبَّۃُ نَارٌ فِی الْقَلْبِ تَحْرِقُ مَا سِوٰی مُرَادِ الْمَحْبُوْبِ

''محبت، دل کے اندر لگی ہوئی ایسی آگ ہوتی ہے جو محبت کی منشا کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔''

(۲۲)......اَلْمَحَبَّۃُ بَذْلُ الْمَجْهُوْدِ وَتَرْکُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَی الْمَحْبُوْبِ

''محبت، کوشش صرف کرنا، اور محبوب پر اعتراض کو چھوڑ دینا ہے۔''

(۲۴)......سُکْرٌ لَا یَصْحُوْ صَاحِبُہٗ اِلَّا بِمُشَاھَدَۃِ مَحْبُوْبِہٖ

''ایسی وارفتگی اور مدہوشی کہ محبوب کے دیدار کے بغیر بندے کو ہوش آتا ہی نہیں۔''

(۲۵)......اَنْ لَّا یُؤْثِرَ عَلَی الْمَحْبُوْبِ غَیْرَہٗ

''کہ بندہ محبوب کے علاوہ کسی کو ترجیح نہیں دیتا''

(۲۶)......اَلدُّخُوْلُ تَحْتَ رِقِّ الْمَحْبُوْبِ وَ عُبُوْدِیَّتِہٖ

''محبوب کی غلامی اور عبودیت میں آجانا''

(۲۷)......اَلْمَحَبَّۃُ سَفَرُ الْقَلْبِ فِی طَلَبِ الْمَحْبُوْبِ

''محبت دل کا سفر ہے محبوب کی تلاش میں''

(۲۸)......اِنَّ الْمُحَبَّۃَ ھِیَ مَا لَا یَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ وَلَا تَزِیْدُ بِالْبِرِّ

''محبت وہ ہے جو بے وفائی سے گھٹتی نہیں اور اچھائی سے بڑھتی ہے'' ع

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو

(۲۹)......اَلْمَحَبَّۃُ اَنْ یَّکُوْنَ کُلُّکَ بِالْمَحْبُوْبِ مَشْغُوْلًا وَ کُلُّکَ لَہٗ مَبْذُوْلًا

''محبت یہ ہے کہ تو پورا کا پورا محبوب کے ساتھ مشغول ہو جائے اور تو مکمل محبوب کے حوالے ہو جائے''

محبت کی کیفیت، احادیث کی روشنی میں:

آیئے! اب ہم اس کیفیت کو ذرا حدیث پاک کی روشنی میں دیکھیں۔

☆......ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مُوْسٰی: یَا مُوْسٰی کُنْ کَالطَّیْرِ الْوَحْدَانِیِّ یَاکُلُ مِنْ رُؤُوْسِ الْاَشْجَارِ وَ یَشْرَبُ مِنْ مَّاءِ الْقَرَاحِ اِذَا جَنَّہُ اللَّیْلُ آوٰی اِلٰی کَھْفٍ مِنَ الْکُھُوْفِ اِسْتِئْنَاسًا بِیْ وَ اسْتِیْحَاشًا مِمَّنْ عَصَانِیْ یَا مُوْسٰی

اِنِّی اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا اُتَمِّمَ لِمُدْبِرٍ عَنِّیْ عَمَلًا، وَلَاُقَطِّعَنَّ اَمَلَ کُلِّ مُؤَمِّلٍ غَیْرِیْ، وَلَاَقْصِمَنَّ ظَهْرَ مَنِ اسْتَنَدَ اِلٰی سِوَایَ، وَلَاُطِیْلَنَّ وَحْشَةَ مَنِ اسْتَاْنَسَ بِغَیْرِیْ، وَلَاُعْرِضَنَّ عَمَّنْ اَحَبَّ حَبِیْبًا سِوَایَ یَا مُوْسٰی اِنَّ لِیْ عِبَادًا اَنْ نَاجَوْنِیْ اَصْغَیْتُ اِلَیْهِمْ، وَاِنْ نَادَوْنِیْ اَقْبَلْتُ عَلَیْهِمْ، وَاِنْ اَقْبَلُوْا عَلَیَّ اَدْنَیْتُهُمْ، وَاِنْ دَنَوْا مِنِّیْ قَرَّبْتُهُمْ، وَاِنْ تَقَرَّبُوْا مِنِّیْ اِکْتَنَفْتُهُمْ، اِنْ وَالَوْنِیْ وَالَیْتُهُمْ، وَاِنْ صَافَوْنِیْ صَافَیْتُهُمْ، وَاِنْ عَمِلُوْا لِیْ جَازَیْتُهُمْ، اَنَا مُدَبِّرُ اُمُوْرِهِمْ، وَسَائِسُ قُلُوْبِهِمْ وَ اَحْوَالِهِمْ، لَمْ اَجْعَلْ لِقُلُوْبِهِمْ رَاحَةً اِلَّا فِیْ ذِکْرِیْ

''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: اے موسیٰ! آپ ایک تنہا پرندے کی طرح بن جائیں جو درختوں کی شاخوں سے پھل کھاتا ہے اور صاف پاکیزہ پانی پیتا ہے۔ جب رات کا وقت آتا ہے تو غاروں میں سے کسی ایک غار میں وہ پناہ پکڑتا ہے، مجھ سے محبت کے ساتھ۔ اور جو مجھ سے نامانوس ہوتے ہیں ان سے وحشت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اے موسیٰ! میں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی ہے کہ مجھ سے جو پیٹھ پھیر کر جانے والا ہوگا، میں اس کے کام کو مکمل نہیں ہونے دوں گا اور جو کسی غیر سے امید رکھنے والا ہوگا، میں اس کی امیدوں کو پورا نہیں ہونے دوں گا۔ اور جو میرے غیر کی طرف تکیہ کرے گا میں اس کی پیٹھ توڑ دوں گا۔ اور جو میرے غیر کے ساتھ محبت کرے گا میں اس کی وحشت کو ختم نہیں ہونے دوں گا۔ اور جو میرے سوا کسی کو محبوب بنائے گا میں اس کے ساتھ اعراض کروں گا۔ اے موسیٰ! میرے ایسے بھی بندے ہیں کہ جب وہ مناجات کرتے ہیں تو میں ان کی طرف مائل ہوتا ہوں، جب وہ مجھ سے قریب ہوتے

ہیں تو میں ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں، جب وہ میرے قریب ہوتے ہیں تو میں ان کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہوں۔ جب وہ میرے قریب ہوتے ہیں تو میں ان کو اپنا مقرب بنا لیتا ہوں۔ اگر وہ میرے قریب ہوتے ہیں تو میں ان کو ڈھانپ لیتا ہوں (یعنی میری رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے) اگر وہ میری سرپرستی میں آتے ہیں تو میں ان کا سرپرست بن جاتا ہوں۔ اگر وہ میرے ساتھ اخلاص والے ہوتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ مخلص ہوتا ہوں۔ اگر وہ میرے لیے عمل کرتے ہیں تو ان کا ان کو بدلہ دیتا ہوں۔ میں ان کے کاموں کی تدبیر کرتا ہوں۔ میں ان کے دلوں اور ان کے حالات کی نگرانی کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ذکر کے سوا ان کے دل کے لیے کوئی راحت نہیں رکھی (اگر ان کو راحت ملتی ہے تو فقط میرے ذکر کے ساتھ ملتی ہے)۔"

یعنی محبت میں بندے کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہر طرف سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور ایک پروردگار کی ذات کی طرف توجہ جڑ جاتی ہے۔

☆...... ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ایک آدمی کو فرمایا:

يَا أَخِي تُحِبُّ أَنْ تَكُونَ لِلّٰهِ وَلِيًّا وَ يَكُونَ لَكَ مُحِبًّا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: دَعِ الدُّنْيَا وَ أَقْبِلْ عَلَى رَبِّكَ بِقَلْبِكَ يُقْبِلُ عَلَيْكَ بِوَجْهِهِ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَى يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ: يَا يَحْيَى إِنِّي قَضَيْتُ عَلَى نَفْسِي أَنَّهُ لَا يُحِبُّنِي أَحَدٌ مِنْ خَلْقِي أَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْ نِيَّتِهِ إِلَّا كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَفُؤَادَهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ فَإِذَا كُنْتُ كَذٰلِكَ بَغَّضْتُ إِلَيْهِ أَنْ يَشْتَغِلَ بِغَيْرِي وَ أَدَمْتُ فِكْرَهُ وَ أَسْهَرْتُ لَيْلَهُ وَأَظْمَأْتُ نَهَارَهُ، أَنْظُرُ إِلَيْهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ نَظْرَةً، فَأَرَى قَلْبَهُ مَشْغُولًا بِي فَأَزْدَادُ مِنْ حُبِّهِ

وَأَمْلَأُ قَلْبَهُ نُوراً حَتّٰى يَنْظُرَ بِنُورِيْ فَكَيْفَ يَسْكُنُ يَا يَحْيٰى قَلْبَهُ وَأَنَا جَلِيْسُهُ وَغَايَةُ أُمْنِيَّتِهِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَأَبْعَثَنَّهُ مَبْعَثًا ثُمَّ آمُرُ مُنَادِيًا يُنَادِيْ: هٰذَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَصَفِيُّهُ، دَعَا إِلٰى زِيَارَتِهِ فَإِذَا جَاءَنِيْ رَفَعْتُ الْحِجَابَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ

''اے بھائی! کیا تو یہ بات پسند کرتا ہے کہ تو اللہ کا ولی بن جائے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: تو دنیا کو چھوڑ دے (دنیا کو چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں کہ تو راہب بن جا، بلکہ ترک لذات دنیا کو دنیا چھوڑ دینا کہتے ہیں۔ یعنی دنیا کو مقصود و مطلوب نہ بنا) اور تو اپنے دل سے اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہو جا، اللہ تعالیٰ اپنے چہرے کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔ (تم اللہ کو دل پیش کرو، اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے سے دل مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کے بیوپاری ہیں۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ بندے کا دل تو کہیں اور پھنسا ہوتا ہے اور ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتے ہیں)۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو وحی نازل فرمائی: اے یحییٰ! میں نے اپنے اوپر اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ جب میرا بندہ مجھ سے محبت کرے گا اور میں اس کی نیت پہچان لوں گا کہ یہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاؤں گا جن سے وہ سنے گا، میں اس کی آنکھیں بن جاؤں گا جن سے وہ دیکھے گا اور اس کا دل بن جاؤں گا جس سے وہ سوچے گا، جب یہ کیفیت ہو تو میں مبغوض بنا دیتا ہوں کہ میرے سوا کسی اور کے ساتھ وہ مشغول ہو۔ میں اس کی فکر کو طویل بنا دیتا ہوں (یعنی وہ میرے ہی دھیان میں لگا رہتا ہے) وہ راتوں کو میرے لیے جاگتا ہے اور دن میں میرے لیے پیاسا رہتا ہے (یعنی رات کو تہجد کے لیے جاگتا ہے اور دن میں

روزہ رکھتا ہے) جو میرا ایسا بندہ ہوتا ہے کہ جس کے دل میں صرف میری محبت ہوتی ہے ایسے بندے کے دل کو میں ایک دن میں ستر مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔"

اللہ اکبر! اگر اللہ رب العزت ایک مرتبہ ہمارے دل کو محبت کی نظر سے دیکھ لے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے ؎

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا

جس بندے کے دل کو اللہ رب العزت نے ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھ لیا تو وہ بندہ اللہ رب العزت کا مبغوض نہیں بن سکتا۔ جس پر اس نے پسند کی نظر ایک دفعہ ڈال دی وہ قبول ہو گیا۔ ہمارا معاملہ تو پروردگار کی ایک نگاہ، بلکہ نیم نگاہ پر موقوف ہے۔

''پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس کا دل میری ہی یاد میں مشغول ہے، میں اس کی محبت کو بڑھاتا رہتا ہوں اور اس کے دل کو اپنے ایسے نور سے بھر دیتا ہوں کہ وہ میرے نور سے ہی دیکھتا ہے (اسی کو نور باطن، نور فراست اور فراستِ مومنانہ کہتے ہیں) اے نبی! کیسے سکون پا سکتا ہے وہ دل جس کا میں جلیس ہوتا ہوں اور جس کی امیدوں کی میں انتہا ہوتا ہوں۔ (پھر آگے اور بھی عجیب بات فرمائی) مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے اپنے جلال کی قسم! جو ایسا میرا چاہنے والا ہوگا، میں قیامت کے دن اس کو اس طرح اپنے سامنے کھڑا کروں گا کہ انسان اس کے اوپر رشک کر رہے ہوں گے۔ پھر میں ندا کرنے والے کو حکم دوں گا کہ پکارو: یہ اللہ رب العزت کا دوست اور اس کا پسندیدہ (یعنی اسپیشل ہے) اللہ نے اسے بلایا ہے اپنی زیارت کروانے کے لیے۔ اور جب وہ بندہ میرے قریب آئے گا تو میں اپنے اور اس بندے کے درمیان کے سارے

پردے ہٹادوں گا (اور اسے اپنا دیدار عطا کروں گا)۔"

یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت کی ایسی محبت پیدا کر لیں کہ جس کی وجہ سے ہمیں اللہ رب العزت کا بلا حجاب دیدار نصیب ہو جائے۔

محبت میں دل خود بولتا ہے:

جب اللہ رب العزت کی ایسی محبت دل میں آجاتی ہے تو پھر بندے کو کچھ سکھانا نہیں پڑتا۔ بلکہ ع

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھاتی ہے

خود بخود دل بولتا ہے۔ بلوانا نہیں پڑتا۔ اس کو سکھانا نہیں پڑتا۔ محبت بلوا رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا بندہ:

......واسطے دے رہا ہوتا ہے

......آہیں بھر رہا ہوتا ہے

......اللہ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے

حتی کہ اس کے ایک ایک لفظ سے اللہ رب العزت کی محبت جھلک رہی ہوتی ہے۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے اللہ سے محبت کے واقعات

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ وہ اللہ سے محبت کرنے والی ایک مقبول بندی تھی۔

◉......ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے اور ان کی موجودگی میں انہوں نے کہہ دیا:

اَللّٰهُمَّ ارْضِ عَنِّیْ "اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جا۔"

فَقَالَتْ: اَمَا تَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ تَسْاَلَہُ الرِّضَا وَ اِنَّکَ غَیْرُ رَاضٍ عَنْہُ؟

''رابعہ نے کہا: کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ تم اللہ سے اس کی رضا مانگتے ہو، اور تم خود اللہ سے راضی نہیں ہو۔''

یعنی تو چاہتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے اور خود تو راضی ہے نہیں۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ''میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں''

قَالَ جَعْفَرٌ: فَقُلْتُ لَہَا: مَتٰی یَکُوْنُ الْعَبْدُ رَاضِیًا عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی؟

''جعفر کہتے ہیں، پھر میں نے سوال پوچھ لیا: ''بندہ اپنے رب سے کب راضی ہوتا ہے؟''

فَقَالَتْ: اِذَا کَانَ سُرُوْرُہٗ بِالْمُصِیْبَۃِ مِثْلَ سُرُوْرِہٖ بِالنِّعْمَۃِ

''رابعہ نے جواب دیا: جب اللہ کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت پر بندے کو اسی طرح خوشی ہو جیسے اس کو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی نعمت پر خوشی ہوتی ہے۔''

دیکھا! یہ ہے محبت۔ اللہ اکبر کبیرا

☆......ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے محقق اور محتاط عالم ہیں۔ یہ بھی رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گئے......مزے کی بات سنو کہ آج وہ لوگ جو کہتے ہیں: ہم کسی کی نہیں مانتے، وہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ اور ان کے یہ امام اس وقت کے بزرگوں کے پاس جاتے تھے......وہ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلٰی رَابِعَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ فِیْ بَیْتِہَا وَ کَانَتْ کَثِیْرَۃَ الْبُکَاءِ فَقَرَأَ رَجُلٌ عِنْدَہَا اٰیَۃً مِّنَ الْقُرْاٰنِ فِیْہَا ذِکْرُ النَّارِ فَصَاحَتْ ثُمَّ سَقَطَتْ

''میں رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ان کے گھر گیا۔ وہ بہت رونے والی خاتون تھیں۔ (محبت میں انسان اپنے محبوب کی یاد میں روتا ہی ہے اور کیا

کرتا ہے) اس وقت ایک بندہ ان کے پاس تھا جس نے قرآن پاک کی ایک ایسی آیت پڑھ دی جس کے اندر جہنم کی آگ کا تذکرہ تھا۔ انہوں نے (آگ کا تذکرہ سن کر) ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام تہجد پڑھ رہے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بھی پیچھے آکر نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام کی حالت میں یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا﴾

(المزمل:۱۳)

اس آیت کو سن کر وہ صحابی رضی اللہ عنہ وہیں گر پڑے اور ان کی وفات ہو گئی۔ اللہ والوں کے لیے ایسی آیات کو سن کر برداشت کر لینا بس سے باہر ہو جاتا تھا۔

⊙......اب رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کی ایک پیاری بات سنیں۔ ذرا دل کے کانوں سے سنیے گا کہ محبت والوں کے دلوں سے کیا باتیں نکلتی ہیں۔ وہ اپنی مناجات میں یہ بات کہتی تھیں:

إِلٰهِي أَتُحْرِقُ بِالنَّارِ قَلْبًا يُحِبُّكَ؟

الٰہی! کیا آپ ایسے دل کو آگ میں جلائیں گے جو آپ سے محبت کرتا ہے؟

فَهَتَفَ بِهَا هَاتِفٌ مَا كُنَّا نَفْعَلُ هٰكَذَا فَلَا تَظُنِّي بِنَا ظَنَّ السَّوْءِ

"ایک ندا دینے والے نے ندا دی (جواب آیا): ہم ایسا نہیں کریں گے، ہمارے ساتھ کوئی برا گمان نہ رکھے۔"

اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو پھر تسلیاں دیتا ہے۔

⊙...... یہ خوف انسان کے لیے بکا کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلٰى رَابِعَةَ وَهِيَ سَاجِدَةٌ، فَلَمَّا أَحَسَّتْ بِمَكَانِي رَفَعَتْ رَأْسَهَا، فَإِذَا

مَوْضِعُ سُجُوْدِهَا كَهَيْئَةِ الْمُسْتَنْقَعِ مِنْ دُمُوْعِهَا، فَسَلَّمَتْ، فَأَقْبَلَتْ عَلَيَّ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَكَ حَاجَةٌ؟ فَقُلْتُ جِئْتُ لِأُسَلِّمَ عَلَيْكِ قَالَ: فَبَكَتْ، وَ قَالَتْ سَتْرُكَ اللّٰهُمَّ سَتْرُكَ وَ دَعَتْ بِدَعْوَاتٍ ثُمَّ قَامَتْ إِلَى الصَّلَاةِ وَ انْصَرَفْتُ

''میں رابعہ ؒ سے ملنے کے لیے گیا۔وہ (اس وقت نفل پڑھ رہی تھیں) سجدے میں تھیں۔جب اس نے محسوس کیا کہ کوئی آیا ہے تو اس نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا۔میں نے ان کے سجدے کی جگہ کو دیکھا،وہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے کیچڑ والی ہو چکی تھی (سجدے میں اتنا روئی تھیں)۔اس نے سلام پھیرا،پھر میری طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں: اے بیٹے! تو کس ضرورت کے لیے آیا ہے؟ میں نے کہا: جی! میں آپ کو سلام کرنے کے لیے آیا ہوں۔فرماتے ہیں کہ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں سے آنسو آگئے (کہ یہ مجھے اللہ والی سمجھ کر سلام کرنے آیا ہے)۔اور کہنے لگی: اللہ! یہ تیری پردہ پوشی ہے کہ تو نے میرے گناہوں کو چھپایا ہوا ہے۔(یہ اللہ والوں کی کیفیت ہوتی ہے کہ لوگ ہاتھ چوم رہے ہوتے ہیں،جوتے اٹھا رہے ہوتے ہیں اور وہ اپنے دل میں اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں: میرے مولا! یہ جو بھی ہے،یہ تیری صفت ستاری کا صدقہ ہے،تو نے چھپایا ہوا ہے جس کی وجہ سے لوگ اتنی محبتوں کا اظہار کر رہے ہیں)۔فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے مجھے کچھ دعائیں دیں۔اس کے بعد پھر دوبارہ نماز میں کھڑی ہوگئیں اور مجھ سے الگ ہوگئیں۔''

اللہ والوں کا حال دیکھو! کہ اس کے آنے سے پہلے بھی اللہ کی طرف متوجہ تھیں اور اس کے جانے کے بعد بھی اللہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

محبت بھری مناجات:

وہ رات کو کیا دعا مانگتی تھیں؟ وہ تو بڑی عجیب ہے۔ سنیئے ذرا!

وَذُكِرَ عَنْ رَابِعَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا صَلَّتِ الْعِشَاءَ، قَامَتْ عَلٰى سَطْحٍ لَهَا، وَشَدَّتْ عَلَيْهَا دِرْعَهَا وَخِمَارَهَا، ثُمَّ قَالَتْ: إِلٰهِيْ! أَنَارَتِ النُّجُوْمُ، وَنَامَتِ الْعُيُوْنُ، وَغَلَّقَتِ الْمُلُوْكُ أَبْوَابَهَا، وَخَلَا كُلُّ حَبِيْبٍ بِحَبِيْبِهٖ، وَهٰذَا مَقَامِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ

''رابعہ عدویہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب وہ عشا کی نماز پڑھتیں تو اپنی چھت کے اوپر کھڑی ہو جاتی تھیں، اپنی چادر اور دوپٹے کو اچھی طرح کس کے اوڑھ لیتی تھیں (جیسے بندہ جب کوئی کام کرنے لگتا ہے تو اپنے کپڑوں کو اچھی طرح لپیٹ لیتا ہے)۔ پھر اسکے بعد کہتیں: اے اللہ! تارے روشن ہو گئے اور آنکھیں سوگئیں، دنیا کے سب بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے اور ہر محب اپنے محبوب کے پاس پہنچ گیا۔ اے اللہ! میں اس وقت تیرے سامنے حاضر ہوں۔''

کیا مطلب؟ کہ تو میرا محبوب ہے اور میں بھی تیرے سامنے حاضر ہوں۔ کبھی ہم نے بھی اس کیفیت کے ساتھ تہجد کے چند نوافل پڑھے! کہ ہم بھی مصلے پر آئے ہوں اور ہم نے یہ کہا ہو: اللہ! رات آ گئی، ہر محب اپنے محبوب کے پاس پہنچ گیا، اے اللہ! تیرا بندہ بھی تیرے سامنے حاضر ہے۔ دل کی کیفیت ہو تو یہ الفاظ نکلتے ہیں نا۔ ورنہ تو زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلتے۔ یہ دل میں محبت کی دلیل تھی کہ وہ کتنے پیارے الفاظ اپنی زبان سے کہہ رہی تھیں۔

''ثُمَّ تُقْبِلُ عَلٰى صَلَاتِهَا، فَإِذَا كَانَ وَقْتُ السَّحَرِ وَمَطْلَعُ الْفَجْرِ قَالَتْ إِلٰهِيْ! هٰذَا اللَّيْلُ قَدْ أَدْبَرَ، وَهٰذَا النَّهَارُ قَدْ أَسْفَرَ فَلَيْتَ شِعْرِيْ! أَقَبِلْتَ

مِنِّیْ لَیْلَتِیْ فَاُھَنِّیَ؟ اَمْ رَدَدْتَھَا عَلَیَّ فَاُعَزِّیْ؟"

''پھر وہ اپنی نماز پڑھتیں۔ جب سحر اور مطلعِ فجر کا وقت ہو جاتا تو اس وقت یہ کہتیں: اے اللہ! یہ رات گزر گئی اور دن کے اجالے کا وقت ہو گیا۔ کاش! میں جان لیتی کہ اگر آپ نے میری رات (کی عبادت) قبول کر لی تو میں اپنے آپ کو مبارکباد دے دوں، اور اگر آپ نے میری رات کی عبادت کو رد کر دیا ہے تو میں اپنے آپ سے تعزیت کر لوں (کہ میری رات اللہ کے ہاں مردود ہو گئی)۔''

ایسے الفاظ کس کی زبان سے نکلتے ہیں؟ جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ اس کے بعد آگے تو پھر عجیب بات کہی:

"فَوَعِزَّتِكَ لَوْ طَرَدْتَنِیْ عَنْ بَابِكَ مَا بَرِحْتُ عَنْهُ لِمَا وَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ مِنْ مُّحَبَّتِكَ"

''اللہ! تیری عزت کی قسم! اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھکیل بھی دے تو میں تیرے دروازے سے کبھی بھی نہیں ہٹوں گی، اس لیے کہ میرے دل میں تیری محبت ہے ؎

اُدھر تو در نہ کھولے گا اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

یہ محبت ہوتی ہے کہ انسان اللہ کے دروازے کے اوپر جم کر بیٹھ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جان دینا بھی اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

تنبت، منصور بن حلاج کی نظر میں:

جب منصور بن حلاج کو قتل کرنے کا وقت آیا تو اس کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے:

أَنَّهُمْ حَبَسُوْهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَجَاءَهُ الشِّبْلِيْ فَقَالَ يَا مَنْصُوْرُ! مَا الْمَحَبَّةُ؟ فَقَالَ لَا تَسْأَلْنِيْ الْيَوْمَ وَاسْأَلْنِيْ غَدًا فَلَمَّا جَاءَ الْغَدُ وَ أَخْرَجُوْهُ مِنَ السِّجْنِ وَنَصَبُوْا النِّطْعَ لِأَجْلِ قَتْلِهٖ مَرَّ الشِّبْلِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَنَادٰى يَا شِبْلِيْ! اَلْمَحَبَّةُ أَوَّلُهَا حَرْقٌ وَآخِرُهَا قَتْلٌ

''ان کو انہوں نے اٹھارہ دن قید میں رکھا۔ان کے پاس ان کے دوست شبلی آئے اور انہوں نے پوچھا: منصور! محبت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: تم آج مجھ سے یہ سوال نہ پوچھو، کل یہ سوال پوچھنا۔ جب اگلا دن آ گیا اور انہوں نے ان کو جیل سے نکالا اور انہوں نے چمڑا بچھا دیا ان کو قتل کرنے کے لیے۔ شبلی آگے بڑھے اور ان کے سامنے آئے۔ تو منصور نے ان کو دیکھ کر کہا: اے شبلی! محبت کی ابتدا آگ ہوتی ہے اور آخر میں اپنے محب اپنے محبوب کو اوپر جان دے دیا کرتا ہے۔''

محبوب کے نام پر جان دے کر پھر بھی وہ اللہ کا احسان مانتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مجھ پر احسان کیا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

محبت الٰہی میں اتنا استغراق!!!

ہمیں تو اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کا چھوٹا سا بھی ذرہ مل جائے تو ہمارے دل کے لیے وہی کافی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم حصہ مل جائے تو بھی کام بن جائے گا۔

مَرَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِشَابٍّ يَسْقِيْ بُسْتَانًا فَقَالَ الشَّابُّ لِعِيْسٰى سَلْ رَبَّكَ أَنْ يَرْزُقَنِيْ مِنْ مَحَبَّتِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فَقَالَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا

تُطِيقُ مِقْدَارَ ذَرَّةٍ فَقَالَ بِصْفَ ذَرَّةٍ فَقَالَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ! اُرْزُقْهُ نِصْفَ ذَرَّةٍ مِنْ مَحَبَّتِكَ فَمَضٰى عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ مُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ مَرَّ بِمَحَلِّ ذَالِكَ الشَّابِ فَسَئَلَ عَنْهُ فَقَالُوْا۔ جُنَّ وَذَهَبَ اِلَى الْجِبَالِ فَدَعَا اللّٰهَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُرِيَهُ اِيَّاهُ فَرَاٰهُ بَيْنَ الْجِبَالِ فَوَجَدَهُ قَائِمًا عَلٰى صَخْرَةٍ شَاخِصًا طَرْفَهُ اِلَى السَّمَاءِ فَسَلَّمَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَالَ اَنَا عِيسٰى فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْفَ يَسْمَعُ كَلَامَ الْاٰدَمِيِّيْنَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِقْدَارُ نِصْفِ ذَرَّةٍ مِنْ مَحَبَّتِيْ فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْقَطَعْتَهُ بِالْمِنْشَارِ لَمَا عَلِمَ بِذَالِكَ

’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نوجوان کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ایک ذرے کے برابر اپنی محبت عطا فرمادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو ذرے کے برابر محبت کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ پھر اس نے کہا: آدھا ذرہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے پروردگار! اس کو اپنی محبت کا آدھا ذرہ عطا کر دیجیے۔ (دعا قبول ہوگئی)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے گئے۔

پھر کافی عرصے کے بعد دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس نوجوان کی جگہ پر آنا ہوا۔ انہوں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ تو وہ کہنے لگے: وہ تو دیوانہ ہو گیا (اللہ کی محبت میں) اور پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! میں اس نوجوان کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ کس حال میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ایک چٹان کے اوپر اللہ کی طرف لو لگا کے، ہاتھ اٹھا کے مناجات کر رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو سلام کیا لیکن اس نے جواب ہی نہ دیا۔ پھر فرمایا: میں عیسیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

طرف وحی نازل فرمائی: وہ بندہ انسانوں کی بات کیسے سن سکتا ہے جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ موجود ہے۔(اللہ اکبر کبیرا) مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے اپنے جلال کی قسم! اے عیسیٰ! اس حالت میں اگر اس کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو بھی اس کو پتہ نہیں چلے گا۔"

سوچیں کہ اس کو محبت الٰہی میں کس قسم کا استغراق نصیب ہو گیا تھا۔ بھئی! ہمیں تو تھوڑی سی محبت بھی مل جائے تو ہمارا کام بن جائے گا۔

ہر سوال کے جواب میں محبوب کا تذکرہ:

محبت، صرف محبوب کو چاہتا ہے، اور کچھ نہیں چاہتا۔ چنانچہ ایک مزے کی بات سنیے:

قِيْلَ لِبَعْضِ الْمُحِبِّيْنَ مِنْ أَيْنَ؟

"کسی نے محبین (اللہ سے محبت کرنے والوں) سے پوچھا: جی آپ کہاں سے آئے؟"

قَالَ: مِنْ عِنْدِ الْحَبِيْبِ

"کہنے لگے: محبوب کی طرف سے"

قِيْلَ: وَإِلٰى أَيْنَ؟

"پوچھا گیا: اور آپ نے جانا کہاں ہے؟"

قَالَ: إِلَى الْحَبِيْبِ

"کہنے لگے: محبوب کے پاس جانا ہے"

قِيْلَ: مَا تَشْتَهِيْ؟

"پوچھا گیا: آپ کی تمنا کیا ہے"

قَالَ: لِقَاءُ الْحَبِيْبِ

''کہنے لگے: محبوب سے ملاقات''

قِیْلَ: اِلٰی مَتٰی تَذْکُرُ الْحَبِیْبَ

''پوچھا گیا: تو کب تک محبوب کا تذکرہ کرتا رہے گا؟''

قَالَ: حَتّٰی اَرٰی وَجْهَ الْحَبِیْبِ

''کہنے لگے: جب تک میں محبوب کا چہرہ نہیں دیکھوں گا، میں محبوب کا تذکرہ کرتا ہی رہوں گا۔''

لمحہ فکریہ:

کاش آج ہمارے دلوں میں بھی اللہ رب العزت کی ایسی محبت ہو اور ہماری زندگیوں کا رخ ہی اور ہو جائے۔ آج تو یہ حالت ہے ۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

آج کے دور میں سب سے بڑی کمی کوتاہی یہی ہے کہ سینوں میں تڑپنے والے دل نہیں ہیں۔ ایک وہ بھی وقت تھا جب رات کے آخری پہر میں نوجوان اٹھتا تھا، اللہ کے سامنے گڑگڑاتا تھا، اس کے سینے میں اللہ کی محبت کی وجہ سے دل مچلتا تھا، آج وہ مچلنے والے دل نہیں ہیں۔ اسی بات کو یوں کہا گیا ۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیانِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا، امانت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

ایک وقت تھا کہ جب جلتے انگارے کی طرح سینے میں دل اللہ کی محبت سے گرم ہو رہا ہوتا تھا اور آج راکھ کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔اللہ کا نام بھی سنتا ہے، ذکر بھی کرتا ہے،مگر ٹس سے مس ہی نہیں ہوتا۔جیسے نزلہ زکام کے مریض کو خوشبو کا پتہ ہی نہیں چلتا۔آج نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتوں کی وجہ سے ہمیں اللہ رب العزت کی محبت کی لذتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔کاش! ہم اس محبت کا تھوڑا سا بھی مزا پالیتے تو اس کمینی دنیا کو ہم لات ہی مار دیتے۔

مخلوق کی محبت کا یہ عالم!!!

مجنوں کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔اس کے بارے میں آتا ہے کہ

رُوِیَ مَجْنُوْنُ لَیْلٰی فِی الْمَنَامِ فَقِیْلَ لَہٗ: مَافَعَلَ اللّٰہُ بِکَ؟
قَالَ: غَفَرَلِی وَجَعَلَنِیْ حُجَّۃً عَلَی الْمُحِبِّیْنَ

’’لیلیٰ والے مجنوں کو (اس کے مرنے کے بعد) کسی نے خواب میں دیکھا۔اس نے مجنون سے پوچھا: اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا: اللہ نے میری مغفرت کر دی ہے اور اللہ نے محبت کرنے والوں پر مجھے حجت بنا دیا ہے۔‘‘

کہ اگر یہ مخلوق کی محبت میں اتنا دیوانہ ہو سکتا ہے تو تم خالق کی محبت میں دیوانے

کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کی محبت کے غلبے کا یہ عالم تھا کہ لوگ اس کو مجنون مجنون پکارتے تھے مگر وہ جواب ہی نہیں دیتا تھا۔ ایک آدمی نے کہا: مجھے پتہ ہے کہ یہ کیسے سنے گا۔ وہ گیا اور جا کر کان میں کہنے لگا: لیلیٰ! لیلیٰ! اس نے فوراً آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ یہ کون ہے جو لیلیٰ کا نام لے رہا ہے۔ جب مخلوق کی محبت کا یہ عالم ہے تو پھر سوچیے کہ ہمیں اللہ رب العزت کے ساتھ کتنی محبت ہونی چاہیے۔

مجنون کہتا ہے ؎

أَطُوْفُ عَلَى جِدَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أُقَبِّلُ ذَالْجِدَارَ وَ ذَالْجِدَارَا

”میں لیلیٰ کے گھر کا چکر لگاتا ہوں، کبھی اس دیوار کو بوسے دیتا ہوں، کبھی اس دیوار کو بوسے دیتا ہوں۔“

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

”اس گھر کی محبت نے میرے دل کو اپنی طرف متوجہ نہیں کیا، بلکہ جو گھر میں رہنے والا ہے اس کی محبت نے میرے دل کو اپنے اندر اتنا مشغول کر دیا ہے۔“

کاش! ہمارے دل میں بھی اللہ رب العزت کی اتنی محبت ہوتی کہ اعمال کا مزہ آ جاتا۔

......سجدے کا مزہ آتا

.....رکوع کا مزہ آتا

.....قرآن پڑھنے پڑھانے کا مزا آتا

.....عبادات کا مزہ آتا

رائی کے دانے کے برابر محبت کا مقام:

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے...... بات توجہ کے ساتھ سننے کے قابل ہے، فرماتے تھے:

مِثْقَالَ خَرْدَلَةٍ مِنَ الْحُبِّ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً بِلَا حُبٍّ

''رائی کے دانے کے برابر محبت، مجھے ستر سال تک بغیر محبت کے عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

لمبا سجدہ کرنے کی وجہ:

مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نماز میں لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کسی نے کہا: حضرت! اتنا لمبا سجدہ! فرمانے لگے: ہاں! نماز میں آقا کے قدموں پر سر رکھ دیتا ہوں، اٹھانے کو میرا جی ہی نہیں چاہتا۔ سوچیں کہ ان کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔

اہلِ محبت کے لیے مژدہ جانفزا:

ایک طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی:

يَا دَاوُدُ! ذِكْرِي لِلذَّاكِرِيْنَ

''اے داؤد! میرا ذکر، ذاکرین کے لیے''

وَجَنَّتِي لِلْعَابِدِيْنَ

''اور میری جنت، عبادت گزاروں کے لیے''

وَزِيَارَتِي لِلْمُشْتَاقِيْنَ

''اور میری زیارت، میرے مشتاق لوگوں کے لیے''

وَاَنَا خَاصَّةً لِلْمُحِبِّيْنَ

''اور میں، خاص ان لوگوں کے لیے جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں۔''

کاش! ہمارا شمار بھی اللہ رب العزت سے محبت کرنے والوں میں ہو جائے۔

محبین کو پکارنے کا محبت بھرا انداز:

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی عجیب بات کہی...... جب میں نے یہ بات پڑھی تو اسے کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی دل نہ بھرا...... فرماتے ہیں:

تُدْعَی الْاُمَمُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَنْبِیَائِهَا

''قیامت کے دن امتوں کو اپنے انبیا (کی نسبت) کے ساتھ پکارا جائے گا۔''

فَیُقَالُ: یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ یَا اُمَّةَ مُوْسٰی یَا اُمَّةَ عِیْسٰی

''انہیں کہا جائے گا: اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے امتِ موسیٰ علیہ السلام، اے امتِ عیسیٰ علیہ السلام۔''

وَ یُدْعَی الْمُحِبُّوْنَ فَیُقَالُ: یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ! هَلُمُّوْا اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

''اور اللہ تعالیٰ اپنے سے محبت کرنے والوں کو پکاریں گے: اے اللہ کے دوستو! آؤ، اللہ سبحانہ کی طرف۔''

آگے فرماتے ہیں:

فَتَکَادُ قُلُوْبُهُمْ تَنْخَلِعُ فَرَحًا

''ان کے دل خوشی کی وجہ سے اچھلنے لگ جائیں گے۔''

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت نصیب ہو جائے۔ (آمین)

محبت بکھیرتے اشعار:

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک آدمی محبت میں عجیب اشعار پڑھتا ہوا جا رہا تھا۔

وَاللّٰہِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَّلَا غَرُبَتْ
اِلَّا وَاَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَ وَسْوَاسِیْ

''اللہ کی قسم! کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور کبھی سورج غروب نہیں ہوا، مگر اے محبوب! تیرا خیال میرے دل میں اور میری سوچوں میں ہی رہا۔''

وَلَا ذَکَرْتُکَ مَحْزُوْنًا وَّلَا طَرِبًا
اِلَّا وَحُبُّکَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ

''میں نے کبھی خوشی اور غمی میں آپ کا ذکر نہیں کیا، مگر آپ کی محبت میرے سانسوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔''

میرے سانس آپ کی محبت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

وَلَا ھَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ
اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِّنْکَ فِی الْکَاْسِ

''میں نے کبھی سخت پیاس کی حالت میں پانی نہیں پیا، مگر اے محبوب! میں اس پانی کے اندر تیری تصویر ہی تو ڈھونڈ رہا ہوتا ہوں۔''

اللہ رب العزت کی ایسی محبت نصیب ہو جائے تو پھر کیا کہنے۔

عشق کی پڑیا کہاں سے ملتی ہے؟

اب ذرا ایک بات توجہ سے سنیے......ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: مولانا! آپ نے کبھی عشق کی دکان دیکھی ہے؟ یہ سن کر مولانا تھوڑی دیر تو خاموش رہے، پھر کہنے لگے: حضرت! میں نے عشق کی دو دکانیں دیکھی ہیں۔ پوچھا: کونسی؟ فرمایا: ایک شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور ایک شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی......یہ اللہ والے جہاں بھی بیٹھے ہوں، یہ عشق کی دکان ہوا کرتے ہیں۔ طالب آتے ہیں اور وہاں سے عشق کی پڑیا

خرید کر واپس جاتے ہیں۔اگر یہی عشق کی پڑیا نصیب ہو جائے تو بندے کی زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔یہی عشق الٰہی ہے جس کی وجہ سے انسان فرشتوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْاِنْسَانُ عَاشِقٌ "انسان عاشق ہے"

اس عشق کی وجہ سے پھر یہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا کرتا ہے۔یہ اللہ کی یاد میں اپنی زندگی گزارتا ہے اور اللہ کے عشق میں اس کا عشق تڑپا رہتا ہے۔

مراقبہ یا پریم پیالہ:

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو جب مراقبہ کروانے کے لیے بلاتے تو فرماتے:"آؤ! پریم پیالہ پی لو۔"

ایسے جیسے مراقبہ کرنے سے محبت کا پیالہ نصیب ہو جائے گا۔اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔اللہ والوں کی صحبت میں جو جاتے ہیں تو پھر ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

پینے سے پہلے پینے والے:

یہ عاجز جب حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھا: کیا آپ کی پہلے بیعت تھی؟ عرض کیا: جی ہاں، حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نو سال رہا۔پھر حضرت نے بہت مہربانی فرمائی اور بیعت فرما لیا۔

وہاں حضرت کی خدمت میں ایک کپتان صاحب سرگودھا والے رہتے تھے۔وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی قریبی اور عاشقوں میں سے تھے، عاشق صادق تھے۔وہ فجر کی نماز پڑھ کر اس عاجز کو کہنے لگے: مبارک ہو۔پوچھا: خیریت تو ہے۔کہنے لگے: ہاں! حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے کہ یہ نوجوان پہلے کہیں سے پی کے آیا

ہے۔ اللہ اکبر

اللہ والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ کون پی کے آیا ہے۔ کاش! ہم بھی کسی کی صحبت میں رہ کر کچھ پییں۔ تب پتہ چلے کہ اللہ رب العزت کی محبت کیا ہوتی ہے۔

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

جی ہی نہیں بھرتا بندے کا۔

شرابِ الفت کے بھکاری

ہمارے بزرگوں کی خانقاہوں میں

......جوان بھی پیتے تھے

......بوڑھے بھی پیتے تھے

......انگریزی لکھے پڑھے بھی پیتے تھے اور

......خطا کار، گنہگار، خاطی اور پاپی بھی آ کر پیتے تھے۔

بوڑھوں میں شرابِ الفت کی طلب:

خانقاہ فضلیہ مسکین پور شریف میں دو بوڑھے بیٹھے ہیں۔ دونوں سفید ریش ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ الجھ رہے ہیں۔ ایک اس کا گریبان پکڑتا ہے اور دھکے دیتا ہے، دوسرا اس کا گریبان پکڑتا ہے اور وہ اس کو دھکا دیتا ہے۔ وہ اس کے دھپی لگاتا ہے اور وہ اس کے لگاتا ہے۔ دیکھنے والا حیران ہوا کہ نیک ہیں، ذاکرین میں سے ہیں، بوڑھے ہیں، مسجد کے اندر ہیں اور یہاں الجھ رہے ہیں۔ اس نے کہا: میں دیکھوں تو سہی۔ چنانچہ جب وہ ذرا قریب ہوا تو پتہ چلا کہ دراصل وہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے، تو بات کرتے کرتے ان میں سے ایک نے کہہ دیا: اللہ

میڈا اے ''اللہ میرا ہے''۔ یہ سن کر دوسرے کو غیرت آئی۔ وہ گریبان پکڑ کے کہتا ہے: اللہ میڈا اے ''اللہ میرا ہے'' اب ایک دوسرے کے گریبان پکڑ رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے: اللہ میرا ہے۔ دوسرا کہتا ہے: اللہ میرا ہے۔ سبحان اللہ! دونوں کے دل میں اللہ کی کتنی محبت ہوگی کہ اللہ کی محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ یوں الجھ رہے ہیں۔ بوڑھوں کا یہ حال تھا۔

لکھے پڑھے لوگوں میں شرابِ الفت کی طلب:

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ انگریزی لکھے پڑھے تھے اور اپنے وقت کے ڈپٹی کمشنر لیول کے بندے تھے۔ بیورو کریٹس میں سے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا: جناب! آپ تو مسٹر تھے، آپ کی ٹرکیسے مس ہوگئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک اللہ والے کی خدمت میں گیا ہوں۔ جب وہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اور ایسی بدلی کہ انہوں نے پھر ایک ایسا شعر کہا جو ان کے شیخ کو بھی پسند آیا۔ فرمایا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ شعر سنا تو فرمایا: ''اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو اس شعر کے بدلے میں ایک لاکھ روپیہ انعام دے دیتا''۔

جب ان کی پنشن ہوگئی تو کسی نے پوچھ لیا: حضرت! کیا حال ہے؟ فرمانے لگے۔

پنشن ہو گئی ہے کیا بات ہے اپنی
اب دن بھی ہے اپنا اور رات بھی ہے اپنی
اب اور ہی کچھ ہے مرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم

کاش! ہر وقت ہی ملاقات والی اور انابت الی اللہ زندگی ہمیں بھی مل جائے، یہ رجوع الی اللہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ اللہ والوں کی صحبت میں ہم نے یہ چیز سیکھنی ہوتی ہے۔

ایک اور عجیب شعر فرماتے ہیں ۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

جیسے کہتے ہیں کہ دو رکعت پڑھو تو حج عمرے کا ثواب ملتا ہے اور پھر ثواب کا نام سن کر نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ ثواب کے پیچھے عبادت تھوڑا کرتے ہیں، وہ تو اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں۔

خطا کاروں میں شرابِ الفت کی طلب:

اللہ والوں کی خدمت میں خاطی اور پاپی بھی آتے تھے اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر شراب الست پی کر واپس جاتے تھے۔

ایک شاعر تھے، جگر مراد آبادی۔ وہ بڑے مشہور شاعر تھے۔ ایک مرتبہ وہ حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ انہوں نے ان کے اوپر نیکی تقویٰ کے اثرات دیکھے تو کہنے لگے: جی! میں آپ کے شیخ سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہاں! ضرور ملیں۔ وہ کہنے لگے: شرط یہ ہے کہ میں پیتا ہوں...... مے نوش تھے، بلکہ بلا نوش تھے، اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے...... وہ کہنے لگے: میں شیخ کو ملنے تو جاؤں گا لیکن وہاں بھی پیوں گا۔

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے پوچھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھئی! خانقاہ تو پبلک پلیس ہے، یہاں تو نہیں پی سکتے، البتہ میں ان کو اپنے گھر مہمان ٹھہرا لیتا ہوں اور مہمان کو اپنی مرضی کرنے کا اختیار ہوتا ہے، کافر بھی مہمان بن سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت نے ان کو گھر میں ٹھہرا لیا۔ جب حضرت سے ملے تو بس ایک محبت نے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا۔ وہیں شراب پینے سے توبہ کر لی۔ پھر اس کے بعد بالکل ہی منہ نہ لگایا۔ بیمار بھی ہو گئے، ڈاکٹروں نے کہا کہ ایک دم چھوڑ دینے سے مر جائیں گے۔ وہ کہنے لگے: مجھے اس سے بڑی سعادت کوئی اور نہیں مل سکتی۔ اب میں نے حقیقی شراب محبت کا مزہ چکھ لیا ہے، لہٰذا اب میں اس کی طرف نہیں آ سکتا۔

اب انہوں نے داڑھی بڑھالی، نیکی کی زندگی گزارنے لگے۔ لوگ دور دور سے سن کر ان کے پاس آتے کہ جی جگر کو کیا ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے بارے میں خوب شعر بنایا۔

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا ہے

پھر اللہ کی محبت دل پر غالب آئی اور محبت کے غلبے میں ان کی زبان سے پھر اللہ کی محبت میں اشعار نکلنے لگے۔ اب لوگ حیران ہوئے۔ چنانچہ کسی نے پوچھا: جناب! یہ اب آپ کے اندر جو جذب ہے کہ پہلے تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اس پر بھی شعر بنایا۔ فرمانے لگے:۔

میرا کمال عشق میں اتنا ہے اے جگر!
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اس وقت کی قدر کر لیجیے:

کاش! ہم بھی ان محفلوں سے اللہ کی محبت کو پانے کی کوشش کریں۔ اللہ سے

مناجات کریں۔دل کو خالی کر کے بیٹھیں۔مخلوق کی شیطانی، نفسانی، شہوانی محبتوں سے اپنے دلوں کو خالی کرلیں۔آپ اگر دودھ کا ایسا پیالہ لے کر جائیں جس پر گندگی، نجاست اور پاخانہ لگا ہوا ہو تو کوئی بھی دودھ نہیں ڈالے گا۔یہ ڈالنے والے کا قصور نہیں، یہ قصور تو پیالہ لے جانے والے کا ہے جس نے صاف اور پاک پیالہ پیش نہیں کیا۔اس دل سے غیر کی محبتوں کو پہلے نکالیے۔اس دل سے ماسوٰی کی محبتوں کو نکالیے۔اگر خالی دل لے کر ان صحبتوں میں بیٹھیں گے تو ایک مجلس ہی آپ کے لیے کافی ہو جائے گی۔اللہ کی ایسی محبت دل میں بھرے گی کہ آپ اس کی حرارت کو خود بھی محسوس کریں گے۔کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا:۔

عشق والے یہ دکانیں نہ بڑھا کر چل دیں
ٹھہرو منصور مجھے دل کی دوا لینے دو

دل کی دوا پالیجیے۔وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔اس وقت کی قدر کر لیجیے۔آج پلانے کو پلانے والے بے قرار ہیں اور پینے والوں کے دل متوجہ نہیں ہیں۔ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب پینا چاہیں گے لیکن قریب پلانے والے نہیں ملیں گے۔وقت کی قدر کر لیجیے۔جن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے ان کے دلوں پر اللہ رب العزت کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ان کے ایک ایک عمل میں محبت نظر آ رہی ہوتی ہے۔

محبتِ الٰہی سے سرشار کلام:

اللہ رب العزت سے محبت کرنے والے ایک اللہ کے عاشق بندے خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔انہوں نے پنجابی میں عجیب کلام کیا۔فرماتے ہیں:۔

ہور کہانی مول نہ بھانویں
الف ہکو ہم بس وے میاں جی

''اور کوئی کہانی مجھے اچھی نہیں لگتی، اے میاں جی! مجھے ایک اللہ کافی ہے۔''

'ب' 'ت' دی میکوں لوڑ نہ کائی

الف لئیم دل کھس وے میاں جی

''مجھے بے تے کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے ماسویٰ کی کوئی ضرورت نہیں، الف (اللہ) نے تو مجھ سے میرا دل ہی چھین لیا ہے۔''

ذکر اللہ دا چر نہ چاہندیں

ہی شابس شابس وے میاں جی

جیندیاں مردیاں یار دی رہساں

دسری ہور ہوس وے میاں جی

رانجھن میڈا میں رانجھن دی

روز ازل دی ہس وے میاں جی

عشقوں مول فرید نہ پھرسوں

روز نویں ہم چس وے میاں جی

''اے فرید! میں اللہ کے عشق سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا، مجھے روز اللہ کے ذکر میں نئی لذت مل رہی ہوتی ہے۔''

ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

میڈا عشق وی توں ، میڈا یار وی توں

میڈا دین وی توں ، ایمان وی توں

میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں

میڈا قلب وی توں جند جان وی توں

میڈا کعبہ ، قبلہ ، مسجد ، منبر

مصحف تے قرآن وی توں

میڈے فرض فریضے حج زکوتاں
صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈا ذکر دی توں ، میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں ، وجدان وی توں
میڈا ساتول مٹھڑا شام سلونڑاں
من موہن جانان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم دی توں ، میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں ، میڈا شان وی توں
میڈا دکھ سکھ ، رون ، کھلن دی توں
میڈا درد وی توں ، درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ دی توں
میڈا بخت تے نام نشان دی توں
میڈے ٹھنڈڑے ساہ تے مونجھ متجاری
ہنجواں دا طوفان وی توں
میڈی مہندی ، کجل ، مساگ دی توں
میڈی سرخی ، بیڑا ، پان وی توں
ہے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں

اللہ ہمارے دلوں کو بھی اپنی محبت سے بھر دے اور اپنی یاد کی لذت عطا فرمادے۔

تیری اک نگاہ کی بات ہے:

آپ حضرات کا یہاں تشریف لانا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوں کہ اے کریم آقا! ہم نے اپنے گھروں کو چھوڑا، اپنے کاروباروں کو چھوڑا، دکانوں کو چھوڑا، اپنے بزنس کو چھوڑا، اے اللہ! اپنے دفتروں کو چھوڑا، بیوی بچوں کو چھوڑا، ایک ہفتے کے لیے تیرے گھر میں آکر اس نیت سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔آپ محبت کی ایک نظر ڈال دیجیے۔مگر اللہ! ہمارے دل میلے ہیں، گناہوں کی نحوست سے کالے ہو چکے ہیں، آپ ایسے دلوں پر نظر نہیں ڈالتے، مولا! اب ان دلوں کو دھو دیجیے، ان کو غیر کی محبت سے خالی کر دیجیے اور ہمیں اپنے در سے خالی نہ لوٹائیے۔ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو آپ کے دربار سے خالی اٹھتا ہے، وہی بدبخت ہوا کرتا ہے۔اللہ! اشقی بننے سے بچالینا۔حاضری قبول فرمالینا۔اے اللہ! اپنی محبت کی ایک نگاہ ہم پر بھی ڈال دینا۔اللہ! تیری اک نگاہ کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی محبت کی ایک نظر عطا فرمادے اور اپنی سچی محبت عطا فرمادے تاکہ ہم آئندہ زندگی شریعت وسنت کے مطابق گزارنے والے بن جائیں۔

(آمین ثم آمین)

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾
(ال عمران:۱۷۳)
نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
کے دائمی معجزے
بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

اقتباس

یہ نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اس زم زم کو ایسا برکت والا بنادیا ہے کہ یہ سب ضرورتوں کے لیے پورا ہو جاتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حرم میں بیٹھے ہوئے بندے کو کہا جائے کہ آج زم زم ختم ہو گیا ہے کل دوبارہ ملنا شروع ہوگا بلکہ جب چاہو، جس وقت چاہو، جتنا چاہو، ٹھنڈا زم زم وہاں ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ بھی ہر وقت جاری وساری ہے اور ہر حاجی اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھ سکتا ہے۔ عاجز ڈنکے کی چوٹ پہ یہ بات کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی تو ایسی جگہ بتاؤ کہ جہاں ایک کنواں لاکھوں بندوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہو۔ بڑے بڑے ٹیوب ویل لگے ہوتے ہیں، موٹریں لگیں ہوتی ہیں، مگر پانی پورا کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ اللہ نے اس زم زم کے چشمے کو کیا جاری کر دیا کہ اس نے نبی ﷺ کی نبوت کا ایک معجزہ ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھادیا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (ال عمران:۱۷۳)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

وقت کے تقاضوں کے مطابق معجزے:

اللہ رب العزت نے لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنا سکھانے کے لیے انبیائے کرام کو دنیا میں بھیجا۔ پھر ان انبیا کی مدد و نصرت کے لیے معجزات عطا فرمائے۔ ہر نبی کو ان کے دور کے مطابق معجزے ملے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری بڑے عروج پہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ معجزہ دیا کہ ان کا عصا اژدہا بن جاتا تھا۔ لہٰذا جب جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرمادیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا فن اپنے عروج پہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے بھی ایسے ہی عطا کیے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (ال عمران:۴۹)

''میں اپاہج کو، برص والے کو ٹھیک کرتا ہوں اور مرتے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے''

قم باذن اللہ فرماتے تھے اور مردہ تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو جاتا تھا۔

جب نبی علیہ السلام تشریف لائے تو عربوں میں زبان دانی کا فن اپنے عروج پہ تھا۔ شعر و ادب کا زمانہ تھا۔ عکاظ کا میلہ لگتا تھا اور لوگ اس میں ہزاروں اشعار پڑھتے تھے۔ ایک ایک بندے کو ہزاروں اشعار یاد ہوتے تھے۔ ان کو اپنی زبان پہ اتنا عبور حاصل تھا کہ اپنے آپ کو وہ ''عرب'' کہتے تھے اور باقی دنیا کو ''عجم'' یعنی گونگا کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ عربوں جیسی فصاحت و بلاغت کہیں اور نہیں ہے۔ ان کو اس بات پر گھمنڈ تھا۔

اس دور میں اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کو قرآن مجید عطا فرمایا، یہ ایسا معجزہ تھا کہ جس نے لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۸)

''اے انسانوں اور جنوں کی جماعت! اگر تم سب کے سب جمع ہو جاؤ قرآن مجید جیسا کوئی کلام پیش کرنے پر تو تم ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے، اگرچہ تم میں سے بعض بعض کے مددگار رہیں''

وہ لوگ جو نبی علیہ السلام سے دشمنی اور کینہ رکھتے تھے، مرنے مارنے پر تل گئے تھے، ان لوگوں کیلیے اگر اس چیلنج کو قبول کرنا آسان ہوتا تو وہ اس کو کر گزرتے۔ مگر یہ ان کی بس کی بات نہیں تھی۔ حتی کے قرآن مجید نے یہ بھی فرما دیا:

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۳)

یعنی اگر اس جیسا پورا قرآن نہیں بنا سکتے تو ایک سورت ہی اس جیسی بنا کے دکھا

دو لیکن وہ اس چیلنج کو بھی قبول نہ کر سکے۔ ان کی عقلیں حیران تھی کہ یہ کیسا کلام ہے؟ ان کے شعرا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔ وہ کہتے تھے واقعی اس کلام جیسا اور کوئی کلام ہو نہیں سکتا۔

دائمی نبوت اور دائمی معجزے:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سارے معجزات عطا فرمائے۔ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت دائمی ہے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی لہٰذا جو معجزے ملے وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب ایک دو سادہ سی مثالوں سے اس بات کو واضح کیا جائے گا۔

جمرات سے کنکریاں اٹھ جانے کا معجزہ:

جو لوگ حج پر گئے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جب شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں تو لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے اگر ایک بندہ تیرہ ۱۳ ذوالحج تک کنکریاں مارے تو اس کی ستر کنکریاں بنتی ہیں...... اس سال اخبار کے مطابق پچاس لاکھ حاجی ہوائی جہاز کے ذریعے سے آئے اور بیس لاکھ حاجی زمینی راستے سے آئے۔ گویا اس ستر لاکھ حاجی تھے...... اب آپ اندازہ لگائیں کہ ستر لاکھ بندے ہوں اور ہر بندے نے ستر کنکریاں ماری ہوں، تو یہ تو کنکریوں کا پہاڑ بن جانا چاہیے۔ لیکن وہاں پر ایسا نظر ہی نہیں آتا۔ جب بھی کنکریاں مارنے کے لیے جاتے ہیں تو تھوڑا سا ڈھیر نظر آتا ہے اور ایک بلڈوزر دو تین مرتبہ میں وہاں سے ہٹا دیتا ہے۔

یہی بات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھی گئی کہ کنکریاں تو اتنی ماری جاتی ہیں، لیکن وہ نظر نہیں آتیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جو کنکری اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جاتی ہے اس کو اللہ کے فرشتے اٹھا لیتے ہیں، اور جو نظر

آتی ہیں وہ بچی کھچی کنکریاں ہوتی ہیں۔

اس معجزے کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عقل حیران ہوتی ہے اگر ایک کنکری کا سائز مٹر کے دانے کے برابر بھی ہو تو پھر بھی اگر ستر لاکھ بندے ستر ستر کنکریاں ماریں تو ایک پہاڑ نظر آنا چاہیے، لیکن نظر نہیں آتا اور نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ قیامت کے دن تک جاری وساری رہے گا۔

آبِ زم زم کا معجزہ:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کو زم زم کا پانی عطا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے زم زم کے بند کنویں کو دوبارہ کھودا اور اس میں سے زم زم نکلنا شروع ہو گیا۔ اس زم زم کے پانی کی عجیب برکتیں ہیں۔

جب نبی علیہ السلام حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد زم زم پیا اور ڈول میں جو بچا ہوا پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کنویں میں ڈال دیا تاکہ بعد میں آنے والے جتنے بھی حاجی زم زم پئیں ان کو میرا جھوٹا پانی پینے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر شفقت کی وجہ سے تھا۔

اب دیکھیے کہ حکومت کو شہر میں پانی پہنچانے کے لیے پانچ چھ ٹیوب ویل بلکہ بعض شہروں میں تو بارہ بارہ ٹیوب ویل اور اٹھارہ اٹھارہ ٹیوب ویل بھی لگانا پڑتے ہیں، تب جا کر شہر کے لوگوں کی پانی کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ جبکہ زم زم کا تو ایک ہی کنواں ہے۔ اور اس کنویں سے پینے والے کتنے ہیں؟ ستر لاکھ تو حاجی ہیں۔ کیونکہ جو بندہ بھی حج کے لیے جاتا ہے تو وہ زم زم تو پیتا ہی ہے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کے جتنے لوگ ہیں وہ سب زم زم ہی پیتے ہیں۔ بلکہ ہم نے یہ دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے گرد سو

کلومیٹر کے اندر اندر جو شہر اور بستیاں ہیں ان کے لوگ بھی زم زم بھر کے لے جاتے ہیں اور گھروں میں لے جا کر پیتے ہیں۔ پھر سارے حاجی زم زم لے کر بھی جاتے ہیں۔ بلکہ اب تو ماشاء اللہ مسجد نبوی میں بھی زم زم پہنچا دیا گیا ہے۔

ایک انجینئر ہونے کے ناتے عقل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایک کنویں سے اتنا پانی نکلنا کیسے ممکن ہے کہ شہر کے بھی لاکھوں لوگ پئیں، ستر لاکھ آنے والے بھی پئیں، وہ ساتھ گھروں کو بھی لے کے جائیں اور سو کلومیٹر قریب کے ایریا کے ہر شہر اور ہر بستی کے لوگ بھی اس کو پئیں۔

یہ کیا چیز ہے؟ یہ نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اس زم زم کو ایسا برکت والا بنا دیا ہے کہ یہ سب ضرورتوں کے لیے پورا ہو جاتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حرم میں بیٹھے ہوئے بندے کو کہا جائے کہ آج زم زم ختم ہو گیا ہے کل دوبارہ ملنا شروع ہو گا بلکہ جب چاہو، جس وقت چاہو، جتنا چاہو، ٹھنڈا زم زم وہاں ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ بھی ہر وقت جاری وساری ہے اور ہر حاجی اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھ سکتا ہے۔ عاجز ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی تو ایسی جگہ بتاؤ کہ جہاں ایک کنواں لاکھوں بندوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہو۔ بڑے بڑے ٹیوب ویل لگے ہوتے ہیں، موٹریں لگیں ہوتی ہیں، مگر پانی پورا کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ اللہ نے اس زم زم کے چشمے کو کیا جاری کر دیا کہ اس نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت کا ایک معجزہ ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھا دیا۔

چنانچہ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی علیہ السلام کو جو معجزے ملے وہ دائمی ہیں اور قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی رہے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے بھی رہیں گے۔

چار اور دائمی معجزے:

ایک نکتے کی بات جو آج یہ عاجز کہنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ان معجزات کے علاوہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار معجزات ایسے ہیں جو ہمیشہ کے لیے محفوظ رہیں گے، جاری رہیں گے اور پوری امت ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔

① قرآن مجید

پہلا معجزہ اللہ رب العزت کا کلام، قرآن مجید ہے۔ یہ ایک محفوظ کلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

"بیشک اس نصیحت نامے کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں۔"

چونکہ اللہ رب العزت نے اپنے کلام کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے اس لیے یہ آج بھی محفوظ ہے اور رہتی دنیا تک بھی محفوظ رہے گا۔ چودہ سو سال کے اس عرصے میں دنیا میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ دنیا میں کہیں بھی اللہ کا کلام نہ ہو رہا ہو۔ اس طویل عرصے میں تسلسل کے ساتھ ہر وقت اللہ کا کلام کہیں نہ کہیں دنیا میں ضرور موجود رہا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اللہ رب العزت کے کلام کا معجزہ ہے۔

قرآن مجید کو مٹانے کی ناکام کوششیں:

قرآن مجید کو مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔

⊙......تاتاریوں کی کوشش:

تاتاریوں نے جب مسلمانوں پر فتح پائی تو انھوں نے دجلہ اور فرات میں اتنی

کتابوں کو ڈالا کہ وہاں پر پل بن گیا ایک مہینہ تک دریا کا پانی سیاہ ہو کر چلتا رہا۔ کتابوں کی سیاہی اترتی رہی اور پانی کالا ہو کر بہتا رہا وہ چاہتے تھے کہ اس کو ختم کر دیا جائے لیکن وہ خود تو ختم ہو گئے لیکن اللہ کا قرآن ختم نہ ہوا، دنیا میں موجود رہا۔

⊙......فرنگیوں کی کوشش:

اس کے بعد دوسری کوشش اس وقت کی گئی جب یہاں متحدہ ہندوستان تھا۔ فرنگی نے جب یہاں پر آ کر حکومت کی۔ اس نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کا قرآن سے رشتہ توڑ دو۔ بہت کوشش کی گئی مگر اللہ کا کرم ہوا کہ قرآن آج بھی اسی طرح موجود ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صداقت کے پرچم کو لہرا رہا ہے۔

⊙......کمیونسٹوں کی کوشش:

پھر تیسری کوشش اس وقت کی گئی جب ایشیا میں ’’کمیونزم‘‘ آیا، چنانچہ انہوں نے اپنے پورے ملک میں قرآن کو بھی بین کر دیا یعنی پابندی لگا دی۔ اس کی زبان ’’عربی‘‘ کو بھی بین کر دیا اور قانون یہ بنا دیا کہ اگر کسی گھر سے عربی زبان میں لکھا ہوا کاغذ بھی نکلے گا تو ہم اس گھر کے ہر فرد کو پھانسی دے دیں گے۔ ستر سال ایسے بھی گزرے کہ مسلمان اپنے گھروں میں قرآن مجید رکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ جہاں سے بھی قرآن مجید کا ایک صفحہ نکل آتا تھا وہاں گھر کے سب لوگوں کو پھانسی دے دی جاتی تھی۔ نسلیں گزرتی گئیں مگر اللہ کے قرآن کو گھر میں رکھا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روسی عورت کی بے قراری:

مجھے ایک مرتبہ تاشقند جانے کا موقع ملا۔ علما بھی ساتھ تھے۔ ایک خاتون نے جب ہمیں دور سے دیکھا تو وہ قریب آ کر پوچھنے لگی: کیا آپ مسلمان ہیں؟ میں نے کہا: الحمدللہ! مسلمان ہوں۔ وہ کہنے لگی کیا آپ کے پاس قرآن ہے...... میری جیب

میں ایک چھوٹے سائز کا قرآن مجید تھا۔ جو عام طور پر سفر میں ساتھ رکھتے ہیں۔ میں نے وہ اسے دکھایا کہ یہ قرآن ہے۔ اس نے پوچھا: کیا میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ ضرور دیکھیں۔ جب اس کو قرآن مجید دیا تو وہ اسے چومنے لگی، آنکھوں سے لگانے لگی، سینے سے لگانے لگی۔ جیسے کوئی بچھڑا ہوا بندہ کسی سے بڑی چاہتوں اور محبتوں کے ساتھ ملتا ہے، ایسے دیوانوں کی طرح وہ قرآن مجید کو پیار کرنے لگی۔

ہمارے ایک عالم نے پوچھا: آپ اس کو اتنا دیوانہ وار پیار کیوں کر رہی ہیں؟ وہ کہنے لگی: میری عمر اس وقت اکتالیس سال ہے۔ میرے والدین بھی مسلمان تھے اور انہوں نے مجھے بھی کلمہ پڑھایا تھا۔ لیکن ان اکتالیس سالوں میں آج پہلی مرتبہ اللہ کے کلام کو دیکھ رہی ہوں۔

وہاں ایسی پابندی لگائی گئی۔ لیکن اللہ کی شان دیکھیں کہ قرآن مجید وہاں پر بھی موجود رہا اور حافظ بھی رہے۔

حکومتِ وقت کی حیرانی:

ہمیں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں جانے کا موقع ملا۔ وہاں کی حکومت نے اس وقت ایک ''قرأت کانفرنس'' منعقد کروائی۔ اس کانفرنس میں شمولیت کے لیے شرط رکھی گئی کہ صرف حافظ اور قاری حضرات درخواست دے سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید ہمارے ملک میں زیادہ سے زیادہ سو نہیں، تو دو سو حافظ ہوں گے۔ لیکن اللہ کی شان ان کی آنکھیں اس وقت کھلی کی کھلی رہ گئیں جب چودہ ہزار حفاظ نے قرآن پڑھنے کے لیے درخواستیں جمع کروائیں۔ وہ حیران ہوئے کہ یہاں تو قرآن تھا ہی نہیں، یہ حافظ کیسے بن گئے؟ جی ہاں! یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے کہ ظاہر میں قرآن نہ ہونے کے باوجود وہاں حفاظ پیدا ہو گئے۔

دو ایمان افروز واقعات:

❶...... ہمارے ایک دوست تھے وہ سٹیل مل کے اندر ایک بڑے انجینئر تھے...... چونکہ سٹیل مل رشیا سے لی گئی تھی اس لیے سٹاف کو ٹریننگ کے لیے وہاں ماسکو بھیجا گیا...... جب ہمارے وہ انجینئر دوست ماسکو گئے تو وہاں قیام کے دوران جمعہ کا دن آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: میں تو مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا: جی، یہاں مسجدیں تو بند ہیں۔ صرف دو مسجدوں کو کھولا گیا ہے تا کہ سیاح آئیں اور وہ ان کو دیکھ کر چلے جائیں۔

یہ ایک مسجد میں پہنچ گئے، صفائی کی اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں کا دربان کہنے لگا کہ اگر آپ کو کسی نے پکڑ لیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ اس نے کہا: بھئی! میں سرکاری مہمان ہوں، اپنے گھر میں بھی مسلمان تھا اور یہاں بھی مسلمان ہوں، مجھے اپنے پروردگار کی نماز پڑھنے سے کون روک سکتا ہے؟

جب اس نے نماز پڑھی تو ایک چھوٹا سا بچہ اس کے پاس آیا اور اشارے سے کہا کہ آپ کو میرے ابو بلا رہے ہیں۔ جب مسجد سے باہر نکلے تو سامنے ہی ان کا گھر تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں وہاں چلا گیا۔ ان لوگوں نے کنڈی لگا دی۔ اس وقت ان کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ جب انہوں نے کنڈی لگا دی تو ان کے چہروں سے خوف ختم ہو گیا اور وہ خوش ہو کر میری طرف لپکے۔ جب وہ ملے تو کہنے لگے: مسلمان! مسلمان! ہم بھی مسلمان ہیں وہ لوگ اردو اور انگلش زبان نہیں جانتے تھے اور میں رشین نہیں جانتا تھا۔ اس لیے ہم اشاروں میں ہی باتیں کرنے لگے۔ خیر! انھوں نے کھانا کھلایا چائے پلائی اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

میرے سامنے چند بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا تم قرآن مجید پڑھے ہوئے ہو؟ ایک نے کہا: ہاں۔ میں نے جیب سے قرآن پاک نکال کے

اس کے سامنے رکھا اور میں نے کہا تم ذرا پڑھ کے سناؤ۔ وہ بچہ میرا منہ دیکھتا رہا، پڑھ نہیں رہا تھا۔ میں نے پھر اسے کہا لیکن وہ پھر بھی نہ پڑھ سکا۔ میں نے جب اس کے والد کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہے تھے۔ میں حیران ہوا کہ وہ کیوں مسکرا رہے ہیں۔

اس دوران میں نے ایک آیت پڑھنا شروع کر دی اور کہا کہ یہاں سے پڑھو:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم: ٦)

کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے دو تین لفظ پڑھنا شروع کیے تو اس بچے نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ میں حیران تھا کہ پہلے پڑھتا نہیں تھا اور اب پڑھنا شروع کیا ہے تو رکتا ہی نہیں ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

پھر اس کے والد نے مجھے کہا: دیکھیں! ہم اپنے گھروں میں قرآن مجید نہیں رکھ سکتے، کیونکہ اس کے رکھنے پر پابندی ہے۔ ہمارے پاس جو پرانے حافظ ہیں، ہم اپنے بچوں کو ان کے پاس بھیجتے ہیں، درزی کا فن سیکھنے کیلیے، یا کوئی اور کام سیکھنے کے لیے، وہ استادان کو وہ کام بھی سکھاتے ہیں اور ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا قرآن بھی یاد کراتے رہتے ہیں۔ جیسے نابینا بچے کو روزانہ دو تین آیات زبانی سبق دیا جاتا ہے، ان کو اس طرح سبق بھی دے دیا جاتا ہے، ہمارے بچے یاد کرتے کرتے پورے قرآن کے حافظ بن جاتے ہیں لیکن چونکہ قرآن دیکھا نہیں ہوتا اس لیے ان کو ناظرہ پڑھنا نہیں آتا۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا

وہ کہنے لگے: جب ہم نے اپنی آنکھوں سے قرآن پاک کا معجزہ دیکھا تو دل سے آواز آئی: لوگو! تم کاغذ پر لکھے ہوئے قرآن کو تو بین کر سکتے ہو، سینے میں لکھے ہوئے قرآن کو تم کیسے بین کرو گے۔ تو قرآن مجید کو ختم کرنے کی کئی بار منظم کوششیں کی گئیں لیکن چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی قرآن پاک اپنی اصل شکل میں موجود ہے، کتابی شکل میں اور حفاظ کی شکل میں بھی۔ آج بھی لاکھوں مرد اور لاکھوں عورتیں

قرآن مجید کو اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

۲......ایک مرتبہ امریکہ میں میرے پاس دو تین علما آئے۔ وہ کہنے لگے: جی! یہاں ایک Interfaith بین المذاہب کونسل بنی ہوئی ہے جہاں مختلف مذاہب کے سربراہ آتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مذہب کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم میں سے ایک دو بندوں نے وہاں جانا شروع کر دیا، لیکن وہ اتنے چالاک ہیں، اتنے سمارٹ ہیں، اتنے عیار ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی دین پڑھا ہوا بندہ جاتا ہے تو اس سے سائنس کی باتیں پوچھتے ہیں اور اگر کوئی سائنس پڑھا ہوا جاتا ہے تو اس سے دین کی باتیں پوچھتے ہیں۔ اور اگر کوئی بندہ جاتا جو دین اور سائنس دونوں کے بارے میں جانتا ہے تو اس سے وہ روحانیت کی باتیں پوچھتے ہیں اس طرح وہ ہر آنے والے بندے کو عاجز کر دیتے ہیں، اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ وہاں جائیں اس فریضہ کو پورا کریں۔

میں نے پہلے تو ان سے بڑی معذرت کی، لیکن وہ کہنے لگے: جی! ہم آپ کے پاس چل کر آئے ہیں اور آپ سے کہہ رہے ہیں کہ اس وقت ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم وہاں جائیں اور اسلام کی نمائندگی کریں۔ خیر! ان کے اصرار پر میں وہاں چلا گیا اور ان کو بتا دیا آئندہ یہ عاجز میٹنگ میں آتا رہے گا اور اگر آپ کو اسلام کے بارے میں کچھ پوچھنا ہوگا تو آپ مجھ سے پوچھیے گا۔ جواب آتا ہوگا تو میں خود بتا دوں گا اگر نہیں آتا ہوگا تو میں اپنے بڑوں سے پوچھ کر یا کتابوں سے مطالعہ کر کے آپ کو بتا دوں گا۔ اس بات پر وہ مطمئن ہو گئے اور میں نے جانا شروع کر دیا۔

وہاں ایک بات تو میں نے یہ دیکھی کہ ان میں سے جو یہودی عالم تھا جسے ربائی کہتے ہیں، وہ مجھے بڑے غور سے دیکھتا۔ خاص طور پر جب وہ میرے عصا کو دیکھتا تو لگتا یہ تھا کہ اس کا دل گدگداتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ سنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی ہے، یہ مسلمان اس کے وارث بن گئے اور ہم محروم ہو گئے۔ ایک دن مجھے کہنے لگا:

You always come with a different respective look

''آپ ہمیشہ ایک باوقار شخصیت بن کر آتے ہیں''

مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ جو عمامہ تھا، جبہ تھا، عصا تھا، ان کا اس کے دل پر اثر ہو گیا تھا۔

ایک دن سیکرٹری کہنے لگا: جی! اگلی میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہوگا؟ میں نے کہا: جس دین والے کے پاس جو ورڈ آف گاڈ (اللہ کا کلام) ہے جو ان کے نبی پر اترا، ہر ایک وہ پڑھ کر سنائے گا۔ اس کو یہ آئیڈیا بڑا اچھا لگا اور اس نے فوراً کہہ دیا کہ اگلی میٹنگ میں ہر دین والے اپنے اپنے نبی پر اترنے والا اللہ کا کلام پڑھ کر سنائیں گے۔

جب اگلی دفعہ میٹنگ شروع ہوئی تو وہ صاحب مجھے ہی کہنے لگے: جی! آپ نے ہی آئیڈیا دیا تھا، لہٰذا اب آپ ہی شروع کریں..... جیسے ہم کہتے ہیں جو بولے وہی کنڈی کھولے..... خیر! میں نے سورت فاتحہ پڑھی اور پھر آسان انگریزی میں اس کا ترجمہ ان کے سامنے کر دیا۔

میں نے سورت فاتحہ کیوں پڑھی؟ اس لیے کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلی کتابوں میں جو کچھ نازل کیا وہ سارا کچھ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں نازل کر دیا۔ پھر جو کچھ پورے قرآن میں اللہ نے نازل کیا، وہ سورۃ بقرہ کے اندر نازل فرما دیا۔ اور جو کچھ سورۃ بقرہ کے اندر نازل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سورۃ فاتحہ میں نازل کر دیا۔ اس لیے اس کو ''فاتحۃ الکتاب'' بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ پورے قرآن مجید کا دیباچہ اور سرِی ہے۔ تو چونکہ پورے قرآن مجید کی تعلیمات اس سورت کے اندر سمٹ کے آ گئیں، لہٰذا اس کو پڑھنا گویا پورے قرآن کی تعلیمات ان کے سامنے پیش کرنے کی مانند ہے۔

اس کے بعد ایک پادری (عیسائیوں کا عالم) بیٹھا ہوا تھا، اب اس کی باری تھی۔ اس نے تو اپنی انگریزی والی بائبل کھولی اور اس میں سے اس نے ''پہاڑی کا وعظ'' پڑھنا شروع کر دیا۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک پہاڑی کا وعظ ہے جس کو وہ بہت ہی جھوم جھوم کے پڑھتے ہیں...... جب اس نے ایک دو منٹ پڑھا تو میں نے پوائنٹ ریز کیا اور میں نے سیکرٹری سے کہا: کہ میں ایک پوائنٹ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: جی بتائیں۔ میں نے کہا: پچھلی مرتبہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ہر دین والے کے پاس جو ورڈ آف گاڈ (اللہ کا کلام) ہے وہ پڑھ کر سنایا جائے گا، اسی لیے تو میں نے عربی پڑھ کے سنائی کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ اب میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بائبل، جو ان کے پاس ہے، یہ انگریزی زبان میں نازل ہوئی تھی؟ اب وہ بات کی تہہ تک پہنچا کہ ہم کہاں آ کر پھنسے ہیں۔ چپ ہی رہا۔ اگر کہے کہ عبرانی زبان میں آئی ہے تو ہم نے کہنا تھا آپ تو انگریزی پڑھ رہیں ہیں، عبرانی زبان میں بائبل پڑھو۔ تو پھر اس کا جواب یہی ہونا تھا کہ وہ تو ہے ہی نہیں۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر یہودی ربائی آگے بڑھا، کیونکہ آگے اس کی باری تھی، اس کو بھی پتہ تھا کہ میں تورات کا انگریزی ترجمہ لایا ہوں، حبرو زبان میں تو میرے پاس کچھ بھی نہیں، اور یہ مجھ سے بھی یہی سوال کرے گا، تو وہ کہنے لگا: مسٹر احمد!...... وہ مجھے احمد کے نام سے پکارتے تھے اور میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔ وہ مجھے کہنے لگا: مسٹر احمد! میں ایک بات آپ کے سامنے کلیر (واضح) کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں، آج ان میں سے فقط مسلمانوں کے پاس ''اللہ کا کلام'' اصلی شکل میں موجود ہے، باقی کسی کے پاس بھی اللہ کا کلام اصلی شکل میں موجود نہیں ہے۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ! اس دن دل کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ کفر

اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہے کہ صرف مسلمانوں کے پاس اللہ کا کلام قرآن مجید اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہے۔ تو یہ جو قرآن مجید محفوظ ہے اسکی بنیادی وجہ نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ، جب تک نبوت رہے گی تب تک معجزہ جاری رہے گا۔ کوئی اسکو ختم کر ہی نہیں سکتا۔ جو اس کو ختم کرنے کا سوچے گا، خود ختم ہو جائے گا قرآن مجید ختم نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی پہاڑ پہ سر مارتا ہے تو اس کی اپنی کھوپڑی دکھتی ہے پتھر کو کیا ہونا ہوتا ہے تو یہ اللہ کا کلام محفوظ کلام ہے۔

(۲) احادیث مبارکہ

دوسرا معجزہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے، جسے ہم حدیث مبارکہ کہتے ہیں، کیونکہ حدیثِ مبارکہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بھیجا گیا کہ آپ پڑھیں اسے ﴿مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِ﴾ جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا۔

تو آپ اس کو واضح فرمائیں، کھولیں، تو نبی علیہ السلام نے اس کو کھولا۔ چونکہ قرآن محفوظ تو نبی علیہ السلام نے جو قرآن کے معنی بیان فرمائے، وہ بھی محفوظ۔ چنانچہ چودہ سو سال کے عرصے میں ایک لمحہ ایسا نہیں آیا کہ پوری دنیا میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث کی کوئی کتاب موجود نہ ہو۔

حفاظِ حدیث:

بلکہ ہر دور میں، ہر زمانے میں اللہ نے ایسے بندوں کو پیدا کیا جو حدیث کے حافظ بنے۔ آج تو ہم حافظ کا لفظ استعمال کرتے ہیں قرآن کے حافظ کیلیے، پہلے زمانے میں حدیث کے حافظ کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، حافظ ابنِ کثیر رحمہم اللہ یہ تمام کے تمام حدیث کے استاد تھے۔ قرآن کے حافظ تو اکثر

ویشتر ہوتے ہی تھے، تاہم قریب کے زمانے میں بھی ایسی ہستیاں گزریں۔ ہمارے اکابر میں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ہزاروں احادیث یاد تھی۔ تو یہ احادیث کتابوں میں بھی محفوظ دماغوں میں بھی محفوظ۔ اب اس کے واقعات تو بڑے لمبے ہیں، مگر بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک واقعہ سنا کر آگے چلتے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ:

ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث تھے، ان کے ایک شاگرد کی شادی ہوئی اور ابتدائی دنوں میں اسے ایک مرتبہ گھر جانے میں دیر ہوگئی۔ بیوی کھانا پکا کے انتظار میں تھی، اس کو غصہ آیا کہ اتنی دیر سے آئے، چنانچہ بولنے لگی: کسی اور کی پرواہ ہی نہیں، چلے جاتے ہو تو تمہیں کوئی احساس ہی نہیں ہوتا کہ پیچھے والے بھی مر گئے ہیں یا زندہ؟ جیسے بیویاں اکثر اپنا گانا سناتی ہیں اور خاوند سنتے ہیں کئی مرتبہ۔ تو وہ بھی وہی بولنے لگی۔ خیر اس نے سمجھایا کہ میں کہیں برے کام کے لیے نہیں گیا تھا، حدیث سننے کے لیے گیا تھا۔ وہ بھی زبان کی ذرا تیز تھی، بعض ہوتی ہیں ناں، مرچ کی طرح۔ وہ کہنے لگی: تمہارے استاد کو کچھ آتا نہیں، تمہیں کیا آئے گا؟ جب استاد کے متعلق بات ہوئی تو یہ بھی غصے میں آگیا۔ کہنے لگا: اگر میرے استاد کو ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد نہ ہوں تو تمہیں میری طرف سے تین طلاق۔ لو جی! اب رات گزری ذرا بیوی کا بھی دماغ ٹھنڈا ہوا، خاوند کا بھی ٹھنڈا ہوا۔ اندر سے تو دونوں کو یہی تھا کہ طلاق واقع نہ ہو۔ لیکن حکم کیا ہے؟ یہ پتہ نہیں تھا۔ بیوی نے پوچھا تا کیں جی! طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ بھئی! یہ بات تو مشروط تھی۔ یہ تو مجھے اپنے استاذ سے پوچھنا پڑے گا۔ اگر میرے استاد کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو پھر طلاق ہوگی۔ خیر، وہ حضرت کے پاس آیا اور پورا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ اب کیا حکم ہے؟ کہ رکھوں یا چھوڑ دوں۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا: کہ جاؤ میاں، بیوی کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزارو۔ ایک

لاکھ حدیثیں مجھے اس طرح یاد ہیں جس طرح لوگوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔

فن اسماء الرجال:

تو قرآن مجید بھی محفوظ اور حدیث مبارکہ بھی محفوظ۔ اللہ نے ایسے بندے پیدا کر دیئے جن کو رجال الحدیث کہا گیا۔ وہ حدیث پاک کے حافظ بھی بنے اور ان کی تدوین بھی کر دی۔ انہوں نے ان کو پڑھا اور اس کے لیے انہوں چھان پھٹک کر کے اصول بھی بنائے۔ انہوں نے اس کو پڑھا اور جرح اور اسماء الرجال کا ایک پورا فن قائم کیا۔ اگر کوئی آدمی اٹھ کر کہے کہ میں فلاں حدیث جانتا ہوں تو پہلے اس آدمی کو تولا جائے گا کہ یہ اس قابل ہے بھی کہ حدیث بیان کرے، سبحان اللہ۔ کیا شان ہے اس دین کی! کیا خوبصورتی ہے اس علم کی کہ علما نے اس طرح چھان کے ان احادیث پاک کو محفوظ کیا جس طرح کوئی چھان کے پانی پیتا ہے۔ چنانچہ آج لاکھوں احادیث پاک کتابی شکل میں موجود ہیں اور یہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔ تو قرآن مجید بھی محفوظ اور احادیث مبارکہ بھی محفوظ۔

(۳) مدارس عربیہ

تیسرا معجزہ قرآن اور حدیث کو جہاں پڑھایا جاتا ہے اس جگہ کا نام مدرسہ ہوتا ہے۔ جب قرآن بھی محفوظ، اور حدیث بھی محفوظ اور مدارس بھی محفوظ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟. قرآن حدیث تو محفوظ ہوں اور اس کی حفاظت کی جگہ غیر محفوظ ہو جائے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ دیکھیں! اگر جان دنیا میں موجود ہے تو جسم کے اندر ہی ہے، جسم ہوگا تو اس کے اندر ہوگی۔ اسی طرح یہ مدارس ایک جسم کی مانند ہیں۔ قرآن و حدیث کا علم ان کی روح کی مانند ہے۔ تو اس روح کو یہاں رکھنے کے لیے ان مدارس کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلا مدرسہ:

یہ مدارس نبی علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئے، سب سے پہلا مدرسہ جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بنایا اس کا نام تھا۔ ''اصحاب صفہ کا مدرسہ''

صفہ اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم رہتے تھے، وہاں زندگی گذارتے تھے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام وہاں تشریف لا کر ان کو دین سکھاتے تھے۔ نبی علیہ السلام کو معلم فرمایا گیا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))

نبی علیہ السلام معلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم متعلم اور دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ اس امت میں دین اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ پھر یہاں سے صحابہ رضی اللہ عنہم سیکھ کر دنیا میں نکلے اور انہوں نے پھر تابعین کو سکھایا۔ جو صحابی وہاں گیا وہ خود بخود دین کا ایک مدرسہ بنتا چلا گیا۔ چنانچہ مدرسہ اس عمارت کا نام نہیں ہوتا، استاد اور شاگرد کا بیٹھ کر پڑھنا، پڑھانا مدرسہ ہوتا ہے، اگر استاد اور شاگرد کھلے میدان میں جا کر بیٹھ جائیں تو وہ مدرسہ اور اگر انار کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جائیں تو وہ مدرسہ۔ یہ مدارس نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے شروع ہوئے اور پوری دنیا میں رہے، آج بھی دنیا میں محفوظ ہیں۔ انہی مدارس کی برکت ہے کہ آج ایک سو سے زیادہ حفاظ کی دستار بندی کے لیے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔

مدارس بند کرنے کی مذموم کوششیں:

ان کو بند کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔

⊙...... کمیونزم کے ذریعے:

سب سے پہلے رشیا میں جب کمیونزم آیا تو انہوں نے مدرسوں پر بین لگا دیا،

چنانچہ مدرسہ نام کی کوئی چیز رشیا میں موجود نہ رہی، مگر ہوا کیا؟ کہ عمارتیں بند کر دی گئی اور علما جہاں تھے ہر ہر عالم کا گھر ایک مدرسہ بن گیا۔ اس عالم کے پاس نوجوان آتے اور وہ ان کو دین پڑھا دیتے۔ چنانچہ اس عاجز کو سمرقند میں ایک گھر دکھایا گیا اور کہا گیا کہ جب مدارس بند تھے تو ہم نے اس گھر کے درمیان میں ایک بڑا سارا ہال بنایا۔ اور اس میں ضرورت کی ہر چیز پہنچا دی۔ اس کے گرد رہائش کے لیے کمرے بنا لیے ایک کمرہ جہاں سے اس کا دروازہ تھا، اس کمرے کو ہم نے شراب خانے کی شکل دے دی تھی۔ یہ فلاں بوتل پڑی ہے، یہ فلاں بوتل پڑی ہے اور بے ہودہ قسم کی ننگی تصویریں لگا دیں، کہ جو پولیس والا اس کو دیکھنے آتا وہ سمجھتا کہ یہ شرابی لوگ ہیں۔ انہوں نے گھر میں یہ شراب خانہ بنایا ہوا ہے، لہٰذا یہ کوئی ایسے خطرناک لوگ نہیں، وہ چلا جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں شراب کی بوتلوں کے پیچھے ہم نے دروازہ بنایا ہوا تھا جو پکا بند کر دیتے تھے۔ استاد اپنے شاگردوں کو لے کے اندر چلا جاتا۔ چھ مہینے کے لیے ہم دروازہ بند کر دیتے وہ اندر ہی کھاتے پیتے، ضروریات سے فارغ ہوتے، اندر ہی سب کچھ ہوتا۔ صحن میں ماں جھاڑو دے رہی ہوتی تھی اس کا اپنا بیٹا اندر ہال میں ہوتا اور ماں کو پتہ نہیں ہوتا کہ میرا بیٹا رو رہا ہے یا نہیں رو رہا ہے، بھوکا ہے یا اس نے کچھ کھایا ہوا ہے۔ قربانی دی ماں باپ نے۔ چھ مہینے کے بعد پھر ان کو باہر نکالا جاتا تو ایسا بھی ہوتا کہ جاتے ہوئے بچہ ایک لفظ نہیں پڑھا ہوا تھا، جب واپس آتا تو پورے قرآن کو ناظرہ پڑھنے والا بن جاتا۔ سن کر حیران ہوئے کہ مدرسے ختم کرنے والوں نے اپنی ہمت صرف کر لی لیکن مدرسے ختم نہ کر سکے۔ ہر عالم نے اپنے گھر کو ہی مدرسہ بنا لیا۔ تو مدارس تو ختم نہیں ہو سکتے۔ عزیز طلبا! یہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے، مدارس کا وجود اور ان کا باقی رہنا، موجود رہنا، کیونکہ یہی وہ جگہیں ہیں جہاں پہ دین اگلی نسلوں کو سکھایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

⊙.....فرنگی حکومت کے ذریعے:

ہمارے اس پاک و ہند میں جب فرنگی نے اپنی حکومت سنبھالی قبضہ کیا تو اس نے کوشش کی کہ مدارس کو ختم کر دیا جائے چنانچہ اس نے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ جس کا نام تھا مدرسہ رحیمیہ، اس کو بلڈوزر سے گرا دیا۔ زمین ہی برابر کر دی۔

اس زمانے میں مدارس وقف کی جائیداد سے چلتے تھے لہٰذا اس وقت جو بندہ مدرسہ بناتا تھا، وہ ایک مربعہ زمین، دو مربعہ زمین وقف کر دیتا تھا تو اس کی آمدنی سے طلبا کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، یہ وقف جگہیں تھیں جن سے مدارس چلتے تھے۔ اور رواج ایسا تھا کہ اکثر و بیشتر مدرسے اسی طرح چل رہے تھے۔ اللہ کی شان اس کافر نے وقف کی تمام جائیدادوں کو سرکاری تحویل میں لے کر مدارس کا گلا گھونٹ دیا۔ ہزاروں مدرسے بند ہو گئے۔

حاکمِ وقت نے یہ سمجھا کہ میں نے تمام مدرسوں کو ختم کر دیا، لیکن علما گھروں میں بیٹھ کے اپنے بچوں کو، ہمسائیوں کے بچوں کو، محلے کے بچوں کو، اللہ کا قرآن پڑھاتے رہے، تعلیم کا سلسلہ تو چلتا رہا۔ مگر مدارس کی عمارتیں نہ رہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام:

ایسے وقت میں ایک شخصیت تھی، جن کے دل میں دین کا درد تھا۔ ان کا نام تھا حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں سے ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کو دنیا سے محروم کر دیا گیا، یہ تو اتنی بڑی محرومی نہیں ہے۔ لیکن آنے والی نسلوں کو دین سے محروم کر دیا جائے گا، یہ تو بہت بڑی محرومی ہے۔ لہٰذا دین سے تو امت کو محروم نہیں ہونے دینا۔ چنانچہ اس غم کو دل میں لے کے انہوں نے اپنے سسرال میں جو کہ ایک بستی میں رہتے تھے، جس کا نام تھا "دیوبند" وہاں ایک

چھوٹا سا مدرسہ شروع کیا۔ ایک انار کا درخت ہے، ایک استاد اور ایک شاگرد، استاد کا نام ملا محمود شاگرد کا نام محمود الحسن تھا۔ انار کے درخت کے نیچے طالب علمی شروع کر دی گئی، وہ انار کا درخت آج تک اسی جگہ قائم ہے۔ اس عاجز کو وہاں جا کر مراقبہ کی سعادت نصیب ہوئی، میں اس درخت کو دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! اس جگہ سے آپ نے کیسے فیض کو جاری فرما دیا۔ بالآخر انہوں نے یہ سلسلہ اتنا سادگی کے ساتھ چلایا کہ کسی نے نوٹس ہی نہ لیا کہ یہ بھی کوئی مدرسہ ہے۔

شروع شروع میں مدرسہ میں مطبخ کا انتظام بھی نہیں تھا، بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں ایک طالب علم کا کھانا پکاتے یا دو کا، وہ طالب علم وہاں جا کر کھانا کھا لیتا۔ یوں مدرسہ اللہ توکل چل رہا تھا اور چلانے والے نے بھی آٹھ اصول بنائے۔ جن کو اصول ہشت گانہ کہا جاتا ہے، پہلا اصول اس میں یہ تھا کہ: مدرسے کے لیے کسی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کی شان دیکھیں۔ آج ہمارے ایمان اتنے کمزور کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مدرسہ کے لیے آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ بنا دے۔ لیکن ہمارے اکابر کا یہ حال ہے کہ فرمایا: مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ کسی نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: نگاہیں اللہ رب العزت سے ہٹ کر اگر لوگوں پر آ کر جم گئیں تو اللہ کی مدد سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ تو اللہ توکل یہ مدرسہ شروع کیا۔

علم وفن کے مراکز:

اس زمانہ میں علم کے تین مراکز تھے۔

ایک مرکز تھا دہلی میں قرآن وحدیث کا، جہاں خاندانِ ولی اللہ نے بیٹھ کر علم کی شمع روشن کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا، ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر لکھی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ شاہ

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اردو میں ترجمہ کیا، ایک نے تحت اللفظ ترجمہ کیا اور دوسرے نے بامحاورہ ترجمہ کیا، مگر قبولیت دیکھیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ الہامی تھا'' چنانچہ (علما کی مجلس ہے تو ایک طالب ہونے کے ناطے) ایک ،دو مثالیں بیان کر دیتا ہوں۔قرآن مجید کی یہ آیت اس کا ترجمہ اکثر مفسرین نے لکھا:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود:۱۱۴)

''بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو''

اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا ''نیکیاں مٹاتی ہیں برائیوں کو'' اور حاشیے میں لکھا کہ جتنی میل اتنا صابن، جیسے صابن میل کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی نیکیاں گناہوں کی ظلمت کو ختم کر دیتی ہیں۔یہ الہامی بات تھی کہ اس کی حقیقت سمجھ میں آ گئی، مفہوم سمجھ میں آ گیا۔قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ (المؤمنون:۵)

مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا:

''جو حفاظت کرتے ہیں اپنی شرم گاہوں کی''

حضرت شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ لکھا:

''جو تھامتے ہیں اپنی شرم گاہوں کو''

اب حفاظت کرنا وہ معنی نہیں دیتا جو معنی ''جو تھامتے ہیں'' دیتا ہے۔یعنی جذبہ اندر موجود ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے اس جذبہ کو روکتے ہیں۔تو تھامنے کا لفظ مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ (النساء:۴۳)

مفسرین نے اس کا ترجمہ لکھا:

''یا تم ہاتھ لگاؤ عورتوں کو''

اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا:

''یا تم لگو عورتوں کو''

ایسے الفاظ کہے کہ سب اختلافات ہی ختم کر دیے بات خود سمجھ میں آجائے۔تو یہ الہامی ترجمہ ہے جو شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

تو قرآن اور حدیث کا ایک مرکز دہلی میں تھا اور ایک مرکز تھا ذکر کا اور اصول فقہ کا لکھنؤ میں۔

ایک خیر آباد میں فنون کا مرکز تھا۔علم النحو کے بہت ہی کامل اساتذہ وہاں گزرے۔

تو یہی تین الگ الگ جگہیں تھیں،علوم کے مراکز کی۔

دار العلوم دیوبند کی قبولیت:

لیکن اللہ کی شان جب کہ مسلمانوں کو آزادی ملی تو دار العلوم دیوبند ایک جامعہ بن کر ان تمام علوم کے ایک کامل مدرسے کے طور پر ابھرا۔سارے علوم سمٹ کر اس کے پاس آگئے،چنانچہ وہاں سے جن حضرات نے فیض پایا پھر انہوں نے ہندوستان میں بھی اپنے مدرسے بنائے اور پاکستان میں بھی مدرسے بنائے،جتنے بڑے بڑے مدارس اس وقت ملک میں ہیں یہ سب وہی حضرات ہیں جنہوں نے وہاں سے علم حاصل کیا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ایک ایسا بوٹا لگوا دیا جس کا فیض آج بھی پوری دنیا کے اندر موجود ہے۔قبولیت کا عالم یہ تھا کہ پشاور سے لے کر کلکتہ تک کے طلبا دار العلوم دیوبند علم پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔پہلے مہتمم

تھے حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ رب العزت نے اس عالم کو قبولیت عطا فرمائی آج دنیا سمجھتی ہے کہ اگر قوم کو آزادی فرنگی سے ملی تو کس وجہ سے ملی؟ دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے۔ کہنے والے نے کہا:

کوہسار یہاں دب جاتے ہیں
طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اِک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں منارہ ہے

مدرسے ختم کیوں نہیں ہو سکتے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرسے ختم کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں جو ایمان والے لوگ ہیں، ان کا جب تک اللہ پر ایمان مضبوط ہے تب تک مدرسے ختم نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں، کہ کوئی بندہ پوری عوام کو ایمان سے محروم کر دے۔

مدرسے چلتے کیسے ہیں؟

اب مدرسے کیسے چلتے ہیں؟ دیکھیے ذرا:

......کسی کو اللہ رب العزت نے بیٹا دیا، اب اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں صدقہ کروں، اب اس کو کسی نے کہا تو کچھ نہیں۔ بیٹا ملنے کی خوشی میں وہ خود ہی یہ سوچتا ہے اور رقم لا کے مدرسے کے مہتمم کے حوالے کر دیتا ہے۔

......کسی بندے کے گھر میں اسکی بیوی فوت ہو گئی، اب اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اس کو ایصال ثواب کروں، وہ کیا کرتا ہے؟ وہ بکرے خریدتا ہے اور مدرسہ کے مہتمم کے

سامنے پیش کر دیتا ہے۔

......کوئی بندہ بیمار ہوتا، اب وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے شفا دے دے اور میں ایک بوری گندم کی اس کے راستے میں صدقہ کروں گا۔ نہ خوشی ختم ہو سکتی ہے اور نہ غمی۔ جب ان تمام حالتوں میں ایمان والے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تو مدارس والوں کی تو گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ ضروریات پوری فرما دیتے ہیں۔

......کون ان کو روک سکتا ہے؟ تو مدارس ختم نہیں ہو سکتے، ہم اپنے مدارس کو جانتے ہیں کہ جن کے مہتمم رسید بھی نہیں بنواتے اور گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ لوگوں کو بھیجتے ہیں جو کہ ان کی ضروریات کو پورا کر دیتے ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شروع یہ تھا کہ وہ زکوٰۃ مدرسے کے طلبا کے لیے قبول کر لیتے تھے، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ زکوٰۃ کا پیسہ لیتے ہی نہیں تھے۔ کہتے تھے کہ میرے پاس لاتے ہیں تو صاف مال لاؤ تو لوگ اتنا صاف مال پیش کرتے کہ اس میں مدرسے کی ضرورتیں پوری ہوتیں اور آخری وقت میں ان پر اللہ کی اتنی رحمتیں تھیں کہ لوگ اتنا مال لاتے کہ ضرورت سے زیادہ ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے قانون بنا دیا کہ میں صرف رمضان المبارک کے اندر پیسہ لوں گا، اس کے علاوہ تمام وقت نہیں لوں گا، جس کو دینا ہو وہ پنجاب کے دوسرے مدارس میں دے دیں۔ جب یہ عالم ہوگا تو مدارس کون ختم کر سکتا ہے؟ اللہ جسے رکھنا چاہے اسے کون چکھ سکتا ہے؟

فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تو قرآن بھی محفوظ اور حدیث بھی محفوظ اور تیسرا مدارس بھی محفوظ۔ جب تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت جاری رہے گی، مدارس بھی دنیا میں محفوظ رہیں گے ختم ہو نہیں سکتے، تین باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

۴ علمائے کرام

اب چوتھی بات کہ اگر مدارس محفوظ ہوں تو مدارس میں جنہوں نے پڑھانا ہے علم آگے پہنچانا ہے تو وہ علما بھی تو ہونے ضروری ہیں۔عمارت ہو پڑھانے والا کوئی نہ ہو تو وہ مدرسہ کیسا؟ تو مدارس کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب علما بھی محفوظ ہوں گے۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ ان کے علم کی وراثت ہر وقت دنیا میں محفوظ ہے اور یہ علم کی وراثت سینوں میں ہوتی ہے۔

اگر ہماری کشتی ڈوبے گی تو......:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث دنیا میں محفوظ ہیں، کوئی بندہ ان کو ختم کر ہی نہیں سکتا۔اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ان میں سے ایک وجہ یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں، ایک مسجد تھی، جس کو ''مسجد اجابہ'' کہا جاتا ہے۔اس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دعائیں مانگیں جن میں سے دو دعائیں قبول ہوئیں۔

پہلی یہ کہ اے اللہ! جیسے پہلی امتوں کے چہروں کو آپ نے مسخ فرما دیا، میری امت کے گناہوں کی وجہ سے کوئی ایسا عذاب ان کے اوپر نہ بھیجنا، اور نبی کی یہ دعا قبول ہوگئی۔

آپ ﷺ نے دوسری دعا مانگی: اے اللہ! میری امت کے اوپر کوئی ایسا ظالم مسلط نہ کر دینا جو میری امت کو ختم کر دے۔اللہ نے اس دعا کو بھی قبول فرمالیا۔

تو جب یہ دعا قبول ہے تو کیا ہمیں مسلمان ہونے کے ناطے کیا کوئی مٹا سکتا ہے؟ عزیز طلبا!۔نہ دین کو کوئی مٹا سکتا ہے، نہ مسلمان کو کوئی مٹا سکتا ہے۔یاد رکھنا! ''جب ہماری کشتی ڈوبے گی تو پوری دنیا کا جہاز ڈوبے گا'' قیامت سے پہلے ہمیں کوئی ختم نہیں

کر سکتا۔ سمجھ گئے؟

ہم آخری امت ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاَنْتُمْ خَاتَمُ الْاُمَمِ))

''میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو''۔

علما کھائیں گے کہاں سے؟

لہٰذا قرآن بھی محفوظ، حدیث بھی محفوظ، مدارس بھی محفوظ اور چوتھی چیز علماء بھی محفوظ۔

اور آپ لوگ اب حافظ، قاری، عالم بن رہے ہیں، لہٰذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا محافظ خود خدا ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو کہ کمائیں گے کہاں سے؟ بھوکے مرجائیں گے۔ مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا یہ طلبا کھائیں گے کہاں سے؟ میں نے کہا جہاں سے انبیا کھاتے تھے۔ بھئی وہ کہاں سے کھاتے تھے؟ کیا تمہاری فیکٹریوں سے کھاتے تھے؟ ان کو خدا کھلاتا تھا ان طلبا کو بھی اللہ کھلائے گا۔ یہ کیا بات ہوئی؟ اللہ تعالیٰ مہربان ہیں، چنانچہ علما کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں گے۔

علما کو ختم کرنے کی سعی لاحاصل:

اس ملک میں پہلے ایسے حالات آئے کہ فرنگی نے یہ کوشش کی علما کو ختم کر دیا جائے۔ لہٰذا اپنی تاریخ پڑھ کر دیکھئے کہ اس نے علماء کو چن چن کر پھانسی پر چڑھایا انگاروں پر لٹایا۔ جی ٹی روڈ کے دونوں طرف جو درخت تھے ان کے ساتھ ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ بادشاہی مسجد کے دروازے پر پھندا لگا کر چوبیں گھنٹے ان کو پھانسی دی گئی۔ طریقہ کار یہ تھا ایک بندے کو پھانسی دی جاتی، جب تک اس کی لاش ہلتی رہتی،

تڑپتی رہتی، اس وقت تک لوگ تماشا دیکھتے۔ ذرا ٹھنڈے ہوتے تو دوسرے کو پھانسی دی جاتی۔ چوبیس، چوبیس گھنٹے یہ عمل رہا اور کئی مہینے یہ ہوتا رہا۔ مقصد کیا تھا؟ کہ لوگ اتنے ڈر جائیں کہ آج کے بعد کوئی اپنے بچے کو حافظ، عالم بنانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے۔ مگر اس کی یہ تدبیر ناکام رہی اور ایمان والوں نے خود بھی دین کے اوپر استقامت دکھائی، اور اپنی اولادوں کو بھی دین پڑھا کے دکھایا۔ علما پھر بھی محفوظ رہے۔ میں نے کشمیر میں ایک درخت دیکھا جہاں پہ وہاں کے علما کو پھانسی دی گئی، آج تک وہ درخت محفوظ ہے۔

چنانچہ علما بھی ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ اب اس کی تفصیل تو بہت لمبی ہے، مگر جو بھی آزمائشیں آئیں، میں سلام کرتا ہوں ان علما کی عظمت کو، ان کی استقامت کو، ان کے تقویٰ کو، ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کو۔ انھوں نے تمام تکالیف تو برداشت کر لیں مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ ثابت کر دیا، لوگو! تم جسم سے جان تو نکال سکتے ہو دلوں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا میں تھے تو ان کو بہت سخت تکلیفیں دی گئیں۔ حتیٰ کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا: حضرت! کوئی ایسا لفظ بول دیجیے کہ فرنگی آپ کو تکلیف دینا بند کر دے۔ فرماتے ہیں جب میں نے یہ بات کہی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ حسین احمد! تم کیا سمجھتے ہو؟ میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا، شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ یہ لوگ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں لیکن میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔ استقامت کے پہاڑ بن کر دکھا دیا۔ چنانچہ علما نے عجیب قربانیاں دیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بے باکی:

ان کے شاگرد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خالد بن نہال فرنگی نے کراچی میں بلایا اور کہا کہ تم آزادی کے نعرے لگاتے ہو اور ہمیں یہاں سے واپس بھیجنے کی باتیں کرتے ہو تو تمہیں پتہ ہے تمہارا انجام کیا ہے؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے معلوم ہے، فرنگی نے جب پوچھا کہ کیا انجام ہے؟ تو انہوں نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا، ایک سفید چادر تھی، کپڑا تھا، جو کندھے پہ تھا۔ اس نے کہا: اس کا کیا مطلب؟ فرمایا: اس کا انجام موت ہے اور میں اپنا کفن لے کے یہاں پہ آیا ہوں۔ تو فرنگی نے کہا: جس کو ہم پھانسی دیتے ہیں اس کو کفن حکومت دیتی ہے، اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو فرمایا: مجھے اپنے رب کے سامنے فرنگی کا کفن لے کر جاتے ہوئے حیا آتی ہے۔ یہ استقامت تھی، ہمارے اکابر کی جس کی وجہ سے آج بھی دین ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اللہ رب العزت کی ان پر عجیب رحمتیں تھیں۔

طالب علم پوری قوم کا محسن ہے:

سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ یہ چٹائی پہ سونے والا اور روکھی سوکھی کھانے والا طالب علم پوری قوم کا محسن ہے، اس کا پوری قوم کے اوپر احسان ہے۔ وجہ کیا ہے؟ دیکھیے ذرا، دلیل کے ساتھ بات کروں گا۔

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چار وجوہات سے آنے والی مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں، جب مؤذن اذان کے الفاظ کہتا ہے اللہ اکبر تو یہ اللہ کی عظمت کا بیان کرنا اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اتنے الفاظ کہنے کی وجہ سے آبادی سے مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔ یہی طالب علم کل کو اللہ کا نام بلند کرنے والے بنے گے،

⊙...... جب مؤمن احرام باندھتا ہے محرم بن جاتا ہے، اس وقت جب وہ تلبیہ پڑھتا

ہے، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ تو یہ لبیک کا لفظ اللہ رب العزت کو اتنا پسند ہے کہ اس لفظ کے سنتے ہی اللہ اس آبادی پر آنے والی مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں۔

⊙......جب کوئی مجاہد دین کی سربلندی کے لیے اللہ کے نام کو بلند کرتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہے۔ تو جہاں تک آواز جاتی ہے اللہ رب العزت مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں۔

⊙......چوتھا فرمایا: قرآن مجید کا حافظ جب اللہ کے قرآن کو پڑھنے کیلیے الحمد للہ کہتا ہے، تو اس کے الحمد للہ کہنے کے ساتھ اللہ اس آبادی پر آنے والی مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔

آج شہر میں یہ حفاظ اور علما نہ ہوتے تو معلوم نہیں عریانی، فحاشی، زنا، موسیقی اور یہ فحاشیاں شہروں کی آبادی کو کسی عذاب میں مبتلا کر چکی ہوتیں۔ آج بچے ہوئے ہیں تو کس کی وجہ سے؟ ان طلبا اور علما کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ طالب علم قوم کے محسن ہیں، یہ علما قوم کے محسن ہیں۔ ان کی وجہ سے اللہ نے ہمارے کرتوتوں کو بھی ڈھیل دی ہوئی ہے۔ یہ جو مستیاں کرتے پھرتے ہیں ساری کی ساری ڈھیل ہے۔ اللہ نے عذاب کو ٹالا ہوا ہے، ان علما طلبا کی وجہ سے۔

کن چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے؟

حدیث پاک آیا ہے: چند چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے۔

❶......بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے

❷......زم زم کے کنویں میں دیکھنا عبادت ہے۔

❸......قرآن مجید کو دیکھنا، پڑھنا عبادت ہے۔

❹......ماں باپ کے چہروں کو محبت کی، عقیدت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے۔

❺......جو شخص محبت اور عقیدت کے ساتھ عالم کے چہرے کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اس کو اجر عطا فرماتے ہیں۔ اتنا تو اللہ کو یہ لوگ محبوب ہیں کہ ان کے چہروں کو

دیکھنا اللہ نے عبادت بنا دیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((كُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا))

''تم عالم بنو یا متعلم بنو یا سننے والے بنو یا ان کے ساتھ محبت رکھنے والے بنو''

اگر کوئی عالم نہ بنا، یا طالب علم نہ بنا تو وہ کم از کم ان سے محبت کرنے والا تو بن سکتا ہے۔ تو کیا آپ لوگ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ ان علما طلبا سے محبت کرنے والے بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محبت کو قبول فرمائے۔

بروز محشر علما کا اعزاز:

حدیث پاک میں آتا ہے:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علما کو کھڑا کریں گے، فرمائیں گے:

((يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ لَنْ أَتْلَى عِلْمِيْ فِيكُمْ لِيُعَذِّبَكُمْ))

اے علماء'' کی جماعت! میں نے تمہارے دلوں میں علم کو اس لیے نہیں رکھا تھا کہ آگ میں تمہیں قیامت کے دن عذاب دوں''

((اِنْطَلِقُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ))

''تم چلے جاؤ میں نے تمہاری سب کوتاہیوں کو معاف کر دیا''

اللہ کے راستے میں:

پھر پتہ چلے گا کہ اللہ کے ہاں ان علما کا کیا مقام ہے؟ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ))

''جو علم کی طلب کے لیے اپنے گھر سے نکلا پس وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ گھر واپس لوٹ نہیں آتا''

تو یہ جتنے طلبا اپنے گھر سے مدارس جانے کے لیے نکلتے ہیں، تو یہ کہاں ہوتے ہیں؟ اللہ کے راستے میں، اور یہ الفاظ کس کے ہیں؟ نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہیں کہ یہ اللہ کے راستے میں ہوتے ہیں، جتنا ان کا وقت گزرتا ہے اللہ کے راستے میں گزرتا ہے۔

پچھلے گناہوں کا کفارہ:

حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ لِمَنْ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى))

''جو علم کو حاصل کرتا ہے یہ علم کا حاصل کرنا اس سے پہلے والے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے''

اس لیے آج ان علما طلبا کی ہمتوں کو توڑنے کے لیے کئی مرتبہ کئی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ آپ اپنی ہمتوں کو بلند رکھیں، آپ کا منصب قرآن کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے، یہ بڑا منصب ہے۔

ہمت بلند کیجیے:

ہمتیں بلند کیجیے اور ساری زندگی قرآن وحدیث سیکھنے، سکھانے میں لگا دیجیے۔

بڑے پسند ہیں قافلے نبھا سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کے فاصلے، مٹا سکو تو ساتھ دو
ہزار دکھ یہاں ہزار آزمائشیں
ہزار دکھ، ہزار بار، اٹھا سکو تو ساتھ دو

نیتیں کر لیجیے کہ ہم نے قرآن مجید کو سینے سے لگانا ہے اور پوری زندگی ہم نے قرآن پڑھنا اور پڑھانا ہے، ہم نے اس کام سے پیچھے نہیں ہٹنا۔

کفر کی سازش ناکام بنادیجیے:

آج کفر تو چاہتا ہے، علامہ اقبال نے بہت پہلے بتادیا تھا، انہوں نے کہہ دیا تھا کہ کفر کیا چاہتا ہے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے جسم سے نکال دو

مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ ہمارے دلوں سے ایمان کبھی بھی نہیں نکل سکتا۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم:

- ......تقویٰ وطہارت کی زندگی اپنائیں۔
- ......امن وسلامتی کی زندگی اپنائیں۔
- ......اخلاق اور محبت کی زندگی اپنائیں۔
- ......ماحول کے اندر نبی علیہ السلام کے حسنِ خلق کا نمونہ بن کر رہیں۔
- ......اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر رہیں۔

خلقِ نبوی کا نمونہ بن جائیں:

طالب علم جہاں پہ چلا جائے لوگوں کو نبی علیہ السلام کا کلمہ یاد آجائے، ہمارے کھانے سے لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد آجائے، ہمارے بیٹھنے، اٹھنے سے لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت یاد آجائے۔ عزیز طلبا ایسا بن جایئے کہ جب موت کا وقت آئے اور فرشتے اگر ہمارے دماغ کو ٹٹولیں تو علم نبی سے بھرا پائیں، اگر دل کو ٹٹولیں تو اس میں (اللہ کے) عشق کو پائیں اور اگر اعضاء کو ٹٹولیں تو سنت نبوی سے مزین پائیں۔ ایسا بن جایئے، پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی آپ کے اوپر کیسے رحمتیں برستی ہیں۔

مولویت کسے کہتے ہیں؟

مولویت مانگ کے روٹی کھانے کا نام نہیں ہے، بلکہ مولویت نام ہے:

- ......ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فصاحت کا،
- ......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جراءت کا،
- ......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت کا،
- ......ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع سنت کا،
- ......مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صفائی قلب کا،
- ......شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کا،
- ......شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت کا،
- ......شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا،
- ......حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت کا،
- ......حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصالت کا،
- ......حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا،

قافلہ اہلِ وفا:

یہ قافلہ اہلِ وفا ہے پہلے بھی انہوں نے دین کے لیے سب کچھ قربان کیا اور دین محفوظ رہا اور آج کے دور میں بھی یہ دین کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور دین کو محفوظ رکھیں گے اور قیامت کے دن اللہ سے اجر کے طالب بنیں گے۔

عزیز طلبا ریل گاڑی کے کئی ڈبے ہوتے ہیں ایک فرسٹ کلاس کا ڈبہ، دوسرا سیکنڈ کلاس کا ڈبہ اور ایک تھرڈ کلاس کا ڈبہ۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے کے اندر ایر کنڈیشنڈ بھی ہیں، خوبصورت چیزیں بھی ہیں، ماحول بھی ستھرا ہے، مزے اور آرام

کی جگہ ہے۔ جبکہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ زنگ لگا ہوا، دروازہ ٹوٹا ہوا، چیزیں بھی ہل جل رہی ہوتی ہیں۔ اگر یہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ اپنی کنڈی کو فرسٹ کلاس کے ڈبے کے ساتھ پھنسائے رکھے تو جہاں پر انجن پہنچتا ہے اور فرسٹ کلاس کا ڈبہ پہنچتا ہے وہاں پر یہ تھرڈ کلاس والا ڈبہ بھی پہنچ جاتا ہے۔

ذرا توجہ فرمایئے! اس امت کی مثال ریل گاڑی کی سی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے انجن کی مانند ہیں اور یہ انجن اللہ کی رضا والے اسٹیشن کی طرف بھاگ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے فرسٹ کلاس کے ڈبے ہیں، اولیائے کرام امت کے سیکنڈ کلاس کے ڈبے اور میں اور آپ اس امت کے تھرڈ کلاس کے ڈبے ہیں۔ حال تو برا ہےلیکن اگر ہم اپنے اسلاف کے ساتھ نسبت کو پکا رکھیں گے، اپنی نسبت کو سلامت رکھیں گے، اسی پر مٹنے کے ارادے رکھیں گے تو جہاں انجن اپنے اسٹیشن پر پہنچے گا، وہاں تھرڈ کلاس کا ڈبہ بھی اسٹیشن پر پہنچ جائے گا۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمائے۔ لہٰذا

......اے قافلہ اہلِ وفا کے نقشِ قدم پر چلنے والو!

......دستانِ وفا کی یادیں تازہ کرنے والو!

......عشقِ الٰہی کی جستجو میں زندگی گذارنے والو!

......اسلاف کی نسبتوں کو سینوں میں محفوظ کرنے والو!

چراغ علم جلاؤ بڑا اندھیرا ہے۔

لوگوں کے دل جیتنے کا نسخہ:

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے مدارس کے اندر تقویٰ وطہارت کے ساتھ بچوں کو ایسا علم سکھائیں کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق سیکھیں اور لوگوں کے دلوں کو جیت لیں چنانچہ آپ:

......گھر کے اندر اچھا بیٹا بن کر رہیں

......اچھا بھائی بن کر رہیں

......اچھے خاوند بن کر رہیں

......اچھے باپ بن کر رہیں

......اچھے دوست بن کر رہیں

......اچھے مؤمن بن کر رہیں

حتیٰ کہ ماں باپ دیکھیں تو دعائیں دیں کہ یہ کتنا اچھا انسان ہے۔ آج آپ ایسے رہیں گے، کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے جائیں گے اللہ رب العزت آپ کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالیں گے۔

قبولیت کی فکر کیجیے:

اور اگر ہم مدارس میں رہے، مگر گناہوں کو نہ چھوڑا تو اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت نہیں ہوگی، یہ تو دوہری محرومی ہوئی۔ چٹائیوں پہ بیٹھ بیٹھ کے جانوروں کی طرح گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بھی پڑ جائیں اور پھر اللہ کے ہاں قبول نہ ہوں تو ہمارے پلے کیا رہا؟

مولا! دنیا نے ہمیں اپنے سے کاٹ دیا تو ہمیں اپنے سے نہ کاٹنا، ہمارا تیرے سوا کوئی نہیں۔ اللہ! ہم نے تیرے ہی در کو پکڑا ہے، تیرے ہی قرآن کو سینے سے لگایا ہے۔ میرے مولا! ہم جیسے بھی ہیں اپنی رحمت سے ہمیں قبول کر لینا۔

میرے مولا! ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں ٹھکرا نہ دینا۔

اللہ! اپنی رحمت کی نظر ڈال کر سینوں کو دھو دینا اور ہمیں اخلاقِ حمیدہ والی زندگی عطا فرما دینا۔

تاکہ جب کل قیامت کے دن آپ کے نبی ﷺ کی موجودگی میں آپ کے حضور

حاضر ہوں تو ہم کہہ سکیں اے اللہ!

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

جو طلبا حافظِ قرآن ہیں ان کو چاہیے کہ یہ اب عالمِ قرآن بھی بنیں، عاملِ قرآن بھی بنیں اور عاشقِ قرآن بن کر زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا والی زندگی عطا فرمائے، برائیوں سے اور دوسروں کے حقوق کو تلف کرنے سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے اور نیک پر امن شہری بن کر رہنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

(الاعلیٰ:۱۴)

اصلاحِ باطن کی فکر

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہ

اقتباس!

بالکل اسی طرح مقام احسان چونکہ دین کا ایک حصہ ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے لیے اس کیفیت کا حاصل کرنا ضروری نہیں۔ یہ دین ہے، اگر ہم اس کو حاصل نہیں کریں گے تو دین کے ایک حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ تو شاگرد کو بھی لازم ہے، استاد پر بھی لازم ہے، دفتر والے پر بھی لازم ہے، مدرسے والے پر بھی لازم ہے۔ ضرورت کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اب حاصل کیسے کیا جائے؟ اس میں ہم کسی کے ساتھ اصرار نہیں کرتے کہ تم یونہی کرو گے تو سنورو گے۔ یہ تو تجربہ کی بات ہے۔ ہمارے مشائخ کو اللہ نے جو بصیرت دی تو انہوں نے اس طریقۂ ذکر کو اختیار کیا اور اللہ نے انکو یہ نعمت عطا فرمائی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اصلاحِ باطن کی فکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۴)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دینِ اسلام میں اصول کی تعیین:

ہم مشرق میں ہوں یا مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں دنیا کے کسی بھی گوشے کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہوں اس کو قرآن مجید سے دین اسلام کی ہدایت ملتی ہیں۔ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کی بنیاد یہ ہے کہ شریعت میں اصول متعین کر دیے گئے اور اسباب اور وسائل کو امت کے علما پر چھوڑ دیا گیا کہ مقصود یہ ہے، اب اس کو حاصل کرنے کا جو بھی طریقہ آپ کے زمانے میں ہو اس کو اختیار کریں۔

فیصلہ کون کرے گا؟ اس دور کے جو علماء اور مشائخ ہوں گے، وہ اپنے اپنے دائرہ کار میں ان چیزوں کا فیصلہ کریں گے۔ یہ بات ذرا مثال سے واضح کرنا ضروری ہے۔

◉ ...... دینِ اسلام نے علم حاصل کرنے کا حکم دیا، علماء کے فضائل بتائے، علم کی فضیلت بتائی۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ))

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے''

لیکن علم کو کیسے حاصل کرنا ہے؟ یہ راستہ کھلا رکھا ہے متعین نہیں کیا۔ یہ میدان کھلا چھوڑ دیا۔ چونکہ مختلف ادوار میں تقاضے مختلف ہو سکتے ہیں۔

کہیں تو یہ علم فقط استاد ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور کہیں پر اس کے لیے مستقل کتابوں کی ضرورت ہوگی۔ جیسے آج کے زمانے میں۔ تو اصول متعین کر دیا کہ دین کا علم حاصل کرنا ہے، کرنا کیا ہے؟ کیسے کرنا ہے؟ طریقہ کیا ہے؟ یہ علما امت کے کندھوں پہ ذمہ داری رکھ دی۔ وقت کے علماء فیصلہ کریں۔ چنانچہ اس طرح جب وہ کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو وہ طریقہ کار ٹھیک ہوتا ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں حدیث پاک کی کوئی کتاب نہیں تھی۔ اب اگر کوئی طالب یہ کہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ کس صحابی رضی اللہ عنہ نے حدیث کی کتاب پڑھی؟ تو اسے کوئی کتاب ایسی نہیں ملے گی۔ ہاں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اپنا اپنا لکھا ہوا ذخیرہ یعنی نوٹس موجود تھے۔ کوئی مستقل کتاب نہ تھی بلکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے چند باتیں لکھوا دیں، کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کہہ کے۔ لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی کہ جس میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے سارے اقوال نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں جمع تھے۔ یہ بعد کے علما نے کام کیا۔ اس لیے کہ تدوین حدیث کا دور دوسری صدی ہجری، تیسری صدی ہجری میں جا کے آتا ہے۔

پھر آج کے دور میں ایک مثال ہے جسے درسِ نظامی کہتے ہیں۔ اللہ کے کسی نیک بندے نے شروع میں اسے تجویز کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی قبولیت ہوئی کہ اس سلیبس (نصاب) کو پڑھ کر اتنے لوگ عالم باللہ بنے۔ اس وقت (اس دور میں) اگر کوئی بچہ آ کر کہے کہ میں عالم بننا چاہتا ہوں تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ کہ درسِ

نظامی پڑھو۔لیکن درسِ نظامی کا لفظ تو نہ کہیں قرآن میں اور نہ حدیث میں۔جو آ کے پوچھے کہ میں حدیث پاک پڑھنا چاہتا ہوں تو آپ کہیں گے کہ صحاح ستہ پڑھو! صحاح ستہ کا لفظ نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔اب ایک صاحب اگر بیٹھ جائے کہ میں نے تو وہی کرنا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا، بعد کے اعمال اور بعد کی چیزیں بدعت ہیں۔تو پھر بخاری شریف پڑھنے کی دلیل کہاں سے ڈھونڈے گا؟ ترمذی شریف کا تذکرہ کہاں سے حدیث میں پائے گا؟ تو اس کو بات سمجھائیں گے کہ بھائی! شریعت نے علم حاصل کرنے کا حکم بھی دیا، فضیلت بھی بتا دی تو یہ سبب ہے، وسیلہ ہے اس علم کو حاصل کرنے کا۔کیونکہ علمائے امت اس پر متفق ہیں تو یہ ٹھیک ہے۔لہٰذا اب یہ شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کو شرعی حیثیت حاصل ہے۔

◉......دوسری مثال: دیکھیں! ملک کی فوج ہوتی ہے جس نے اپنے ملک کی سرحدوں کا بھی دفاع کرنا ہوتا ہے اور دین کا بھی دفاع کرنا ہوتا ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جب کفار کے ساتھ جنگ ہوتی تھی تو گھوڑے استعمال ہوتے تھے ،اونٹ استعمال ہوتے تھے،تلوار استعمال ہوتی تھی، نیزہ استعمال ہوتا تھا، تیر استعمال ہوتے تھے۔اب اگر ایک صوفی صاحب کہے کہ میں تو فوج کا جرنیل ہوں اور میں نے ہر کام سنت کے مطابق کرنا ہے اور پوری اپنی فوج میں تلوار، ڈھال اور تیر تقسیم کر کے بیٹھ جائے تو کیا وہ دفاع کرے گا؟ اس کو کہیں کہ تم ٹینک بناؤ تو وہ کہے گا کہ سنت میں تو یہ کہیں نظر نہیں آتا۔تو اس کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی بلکہ اس دور کے مروجہ اسلحہ کو استعمال میں لانا پڑے گا اور اس کے مطابق جہاد و قتال کی تیاری کرنی پڑے گی۔اس لیے کہ شریعت نے ایک اصول بتا دیا۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾

ایک اصول ہے کہ جتنا ہو سکے اتنا تم اپنے پاس طاقت کو اکٹھا کرو۔اب کوئی

شخص کہے کہ یہ روحانی طاقت ہے۔ نہیں بھائی! یہاں مراد ہے باطنی طاقت۔ وہ کیسے؟ آگے آیا ہے:

﴿مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:۶۰)

''گھوڑے پالو یعنی ایسی طاقت ہو کہ جو اللہ کا دشمن ہے اور جو تمہارا دشمن ہے وہ تم سے ڈر جائے۔''

اس کو جرأت نہ ہو تمہاری طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنے کی۔ یہ اصول بتلایا گیا ہے۔ اِس اصول کے تحت ذمہ داری فوج کے بڑوں کے کندھوں پر آجاتی ہے کہ وہ اپنے ملک اور قوم کے دفاع کے لیے اس دور کے تقاضوں کے مطابق ضروری ساز و سامان اکٹھا کرے اور دفاع کے نظام کو مضبوط بنائے۔ چنانچہ ایسے کوئی فوج کا بڑا کہے گا کہ مجھے سیٹلائٹ ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے تو وہ بھی شریعت والی بات ہو جائے گی اس پر بھی ثواب ملے گا۔ حالانکہ حدیث پاک میں کہیں سیٹلائٹ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ تو یہ وسائل ہیں مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، مقصد متعین ہے۔ اور علماء امت متفق ہیں کہ یہ چیز دائرہ شریعت کے اندر ہے تو اس کام کو کرنا شرعی ذمہ داری ہے۔

من کی صفائی کا حکم:

ان دونوں مثالوں پر قیاس کرتے ہوئے، سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ سوچیے کہ شریعت نے اپنے من کو صاف کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اسے پسند بھی کیا۔ من کو صاف کرنے کا نام تزکیہ ہے۔ تو قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۴)

''تحقیق فلاح پا گیا وہ جو ستھرا ہوا''

جس نے اپنے من کو آلائشوں سے پاک کرلیا۔ یہ ایک اصول بتا دیا اور کہہ بھی دیا کہ:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس: ۹۔۱۰)

"تحقیق کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسکو خاک آلود کیا"

لیکن تزکیہ نفس حاصل کرنے کا کیا سبب؟ کیا طریقہ ہے؟ یہ مشائخ امت کے کندھوں پر ذمہ داری ڈال دی۔ اب آپ لوگ متعین کریں کہ کس دور اور زمانے میں کیا طریقہ ہے؟ انسان کے من کو صاف کرنے کا۔

دور حاضر میں دل کی گندگی کیسی ہوتی ہے؟

آج ہمارے دلوں پر جو گندگیاں لگتی ہیں نا، یہ ایسی ایسی ہیں کہ وہ پہلے زمانے کے لوگوں کے تصور میں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک کپڑا میلا ہو گیا ہے اور اس پر صرف مٹی لگی ہوئی ہے تو پھر تو اس کو دھونے کے لیے صابن، پانی کافی ہے۔ لیکن ایک آدمی نے اس کو پینٹ کر دیا اور وہ پینٹ کپڑے پر لگ گیا تو اب صابن پانی سے کام نہیں چلے گا۔ اس لیے کہ رنگ لگ گیا، اب رنگ صابن پانی سے نہیں اترے گا اس کے لیے کچھ اور بھی کرنا پڑے گا۔ مثلاً کہتے ہیں کہ تھنر Thiner سے اس کو صاف کرو تو یہ رنگ اتر جائے گا۔ کچھ ایسے مشروب ہیں کہ جب کپڑوں پر گر جاتے ہیں تو وہ صابن اور پانی سے ٹھیک ہی نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ لکھنے والا کوئی قلم تھا اس کی سیاہی کپڑوں پر لگ گئی۔ اس کو صابن بھی لگا رہے ہیں، پانی سے بھی دھو رہے ہیں لیکن وہ کالا داغ لگا ہوا ہے۔ پھر اس پر تحقیق کی کہ اس کو کیسے اتاریں تو ایک خاص کیمیکل کا پتہ چلا کہ وہ لگائیں گے تو پھر یہ اترے گا۔

داغ دھبے دور کرنے کا ڈپلومہ:

اس وقت یورپ کے ملکوں میں یہ ایک مستقل مضمون بن گیا ہے کہ چیزوں کے

داغ دھبے کیسے دور کیے جاتے ہیں؟ مستقل ڈپلومہ اس پر کیا جاتا ہے۔ ہم نے ایک آدمی سے پوچھا آپ کیا پڑھتے ہیں؟ تو اس نے کہا: چیزوں کے داغ دھبے دور کرنے کا ڈپلومہ۔ یا اللہ!!! ہم نے کہا بھئی یہ کیا چیز ہے؟ تو کہنے لگا! گھروں میں قالین ہوتے ہیں اور عجیب قسم کی چیزیں استعمال میں آتی ہیں۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں، بچے گرا دیتے ہیں تو ان کے ایسے ایسے داغ لگتے ہیں کہ اترتے ہی نہیں۔ ان کو اتارنا ایک مستقل علم بن گیا ہے۔ پہلے زمانے میں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نہ قالین تھے نہ قالینوں کے داغ تھے۔ کپڑے بھی سادہ ہوتے تھے اور زندگیاں بھی سادہ ہوتی تھیں۔ کوئی داغ لگ بھی جاتا ذرا سا دھونے سے صاف ہو جاتا۔ مگر آج تو بے دھیانی میں کوئی بندہ جیب میں مار کر ڈالے اور وہ کھلا رہ جائے تو تھوڑی دیر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کھلا تھا، جب کافی حصہ کپڑے کا سیاہ ہو چکا ہوتا ہے۔ تو ضرورت پڑ گئی کہ اس کو صاف کیسے کیا جائے؟

تو یہ آج کی ضرورت ہے، پہلے اس کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ جس طرح داغ دھبوں کو دھونے کی اب ضرورت پیش آ رہی ہے، نئے نئے کیمیکل استعمال کرنے پڑتے ہیں تو اسی طرح دل کے داغ دھبوں کا بھی یہی حال ہے۔ آج کل جو داغ دل پر لگ جاتے ہیں تو ان کو دھونے کے لیے بھی روحانی نسخوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ زمانہ اور ہے:

پہلے پاکیزہ دور ہوتا تھا، حیا کا دور ہوتا تھا بہت ساری برائیاں، گناہ اس زمانے میں ہوتے ہی نہیں تھے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ اس زمانے میں اگر کوئی پاگل ہو جاتا تو وہ کثرت سے اذانیں دینی شروع کر دیتا۔ لوگ سمجھ جاتے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے اس لیے ہر وقت اذانیں دیتا رہتا ہے اس وقت کے پاگل ایسے تھے۔ اور آج کل کے

تو عقل مند گالیاں بکنے لگ جاتے ہیں تو یہ زمانہ اور ہے۔

اتنا حیا کا زمانہ تھا کہ ایک نوجوان شخص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے آ کر سوال پوچھا کہ حضرت مرد عورت کے جو پوشیدہ اعضاء ہیں، ان میں فرق کیا ہوتا ہے؟ اب بتائیے کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گیا اور اس عمر میں پہنچنے تک اس کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ مرد عورت کے جسم میں فرق کیا ہوتا ہے؟ ایسا پاکیزہ دور تھا۔ اب تو پانچ سال اور سات سال کے بچے سے جو چاہے پوچھ لو۔ پہلے وقتوں میں انسان کے من کو صاف کرنے کا معاملہ کچھ اور تھا۔ اب اس کے اندر تبدیلی آتی چلی جا رہی ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ ذمہ داری مشائخ کے کندھوں پہ ڈال دی۔ سالکین کو اس طرح ایسی محنت پر کھڑا کرنا ہے کہ وہ اپنے من کو صاف کریں۔

صرف ونحو شریعت کی نظر میں:

اب دیکھیے! ایک آدمی اگر بیٹھا ہوا ''علم الصرف'' کی گردان یاد کر رہا ہو ضرب یضرب ضرباً فھو ضارب۔ اب دوسرا بندہ کہے کہ جی خلاف سنت عمل کر رہا ہے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ بھئی! اپنی عقل کا ٹیسٹ کراؤ! یہ بچہ جو اس وقت یہ پڑھ رہا ہے یہ حقیقت میں ایک فن ایک علم جاننا چاہتا ہے، جس سے اس کو اس زبان پر عبور ہوگا اور اس زبان پر عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث کو آسانی سے سمجھ پائے گا، یہ ضرورت ہے ہماری۔ تو آج اس علم کی تفصیل سامنے کھل گئی ہے، یہ ایک مستقل مضمون بن گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ مضمون کتنا تھا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور جو مفعول ہے وہ منصوب ہوتا ہے اور مضاعف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ بات ختم اتنے سے فقرے میں علم النحو کو سمجھا دیا اور آج کے دور میں ماشاء اللہ ''علم النحو'' پر ایک مستقل کتاب ہے کہ جی ''ہدایۃ النحو'' پڑھ رہے ہیں۔ طلبا کی جان جاتی ہے ہدایۃ النحو کا سن کے۔ کیوں؟ اس لیے تفصیل

سامنے آ گئی۔ تو یہ چیزیں وقت کے ساتھ ساتھ ضرورت کے طور پر اپنائی جاتی ہیں۔
مقصود شریعت نے متعین کر دیا ہوتا ہے۔ مثلاً:
علم کا حاصل کرنا متعین۔
علم کی فضیلت متعین۔
دشمن سے دفاع کے لیے تیار رہنا متعین۔
سبب کیا ہے؟ اس کا وسیلہ کیا بنے گا؟ وہ وقت کے جو مجاہد ہوں گے، جو فوج ہو گی، لوگ خود متعین کریں گے۔ وقت کے علاوہ اس کو متعین کریں گے، مشائخ اس کا تعین وہ کریں گے۔

ذکر وسلوک میں معاون اسباب:

عام جو ذکر وسلوک کے احباب کرتے ہیں، اس میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو علاج کے طور پر اپنایا جاتا ہے۔ اب ایک بندے کو کہیں کہ آپ ذرا مراقبہ کر لیجیے۔ تو جب کہتے ہیں کہ مراقبہ کر لیجیے تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں آنکھوں کو بند کر لیجیے، کوئی فرض نہیں۔ سر کو جھکا لیں، کوئی ضروری نہیں۔ کیا اللہ والے کھلی آنکھوں کے ساتھ ذکر نہیں کرتے؟

یہ اصول کی خاطر اس کو کہتے ہیں کہ چونکہ نیا بندہ ہے آنکھیں کھلی رکھے گا تو مراقبے کی بجائے کچھ اور تماشے بیٹھا دیکھتا رہے گا۔ تب اس کو کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کر لو، یکسوئی ہو جائے گی، اب یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ایسا عمل علیہ السلام سے بھی ثابت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب نبی علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک اپنے سر مبارک پر ڈال لیا کرتے تھے۔ اب آج اگر ہم نے مراقبے کیلئے رومال سر پہ ڈال لیا تو یہ کونسا خلاف شریعت چیز بن گئی۔ کچھ طلبا ایسے ہوتے ہیں ان کو کہیں نا کہ مراقبہ کر لیں تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں تو کہیں نہیں ملتا۔

اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں یہ تو ملتا ہے کہ من کو صاف کرنا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ذکر انسان کے باطن کو دھو دیتا ہے۔ یہ سب چیزیں مل جائیں گی۔ لیکن کس بندے کے لیے کون سا طریقہ ذکر مناسب ہے، سری یا جہری، اللہ اللہ کا ذکر یا لا الہ الا اللہ کا ذکر، یہ تفصیلات اب مشائخ کے کندھوں پر ہیں۔ اب وہ جو ترتیب بتا دیں گے وہ کرنی ہوگی۔

مراقبہ موت:

بعض مشائخ موت کا مراقبہ کرواتے ہیں۔ مراقبہ موت، یعنی بیٹھ کے موت کے بارے میں سوچو۔ کہتے ہیں سوچو کہ آج تو میں اپنے اختیار سے آنکھیں بند کر رہا ہوں، ایک وقت آئے گا کہ یہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گی۔ تو موت کو یاد کرنے کا حکم دیا تاکہ غفلت دور ہو جائے۔ توجہ الی اللہ نصیب ہو جائے، رجوع الی اللہ حاصل ہو جائے۔ کیا یہ خلاف سنت ہے؟

مقاصد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کے شعبے:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے چار مقاصد قرآن مجید میں بیان کیے گئے:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(آل عمران:۱۶۴)

”تاکہ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرے، اور ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔“

آپ آیات بھی تلاوت فرماتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا تزکیہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ان کو علم بھی سکھایا، حکمت بھی سکھائی۔“ تو اللہ نے جو چار مقاصد بتائے نبی علیہ السلام نے

ان چاروں پر کام کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ دین کے شعبے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کامل تھے، تمام صفات کے حامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ سب خوبیاں موجود تھیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان تمام شعبوں میں تفصیل آتی گئی۔ پہلے اجمال تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تفصیل آتی چلی گئی۔ اتنی تفصیل آگئی کہ ایک شعبے میں کام کرنے والے اپنی پوری زندگی لگا دیں تو اس شعبے کا بھی حق ادا نہیں کر پاتے۔

چنانچہ علم والوں نے مدارس بنا دیے انہوں نے "علم" کے شعبے کو سنبھال لیا کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں، یہ محبوب کی وراثت ہے۔ ہم اس کو تقسیم کرنے میں زندگی کھپائیں گے۔ اب وہ سارا دن پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوتے ہیں۔

مشائخ نے تزکیہ والے شعبے کو سنبھال لیا۔ اچھا ہم ذکر بھی کریں گے، اللہ اللہ بھی کریں گے، باطنی بیماری دور کرنے کی محنت بھی کریں گے۔ چنانچہ ان کی صحبت میں کتنے گنہگار آتے ہیں؟ کتنے ہی خطاکار آتے ہیں؟ کتنے غافل آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں کو بدلتے ہیں ان کو اپنی محبت سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔ وہ اس پر کام کر رہے ہیں، سب دین کے شعبے ہیں، ہر ایک کو اجر ملے گا۔

بعض نے کہا کہ ہم اللہ کے راستے میں نکلیں گے اور دعوت و تبلیغ کا کام کریں گے۔ سبحان اللہ تمام کام برحق ہیں، سب دین کے شعبے ہیں۔

دوسرے شعبوں پر اعتراض مت کریں:

اگر ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے ایک ہی شعبے میں کام کر سکتے ہیں تو کریں لیکن ہمیں باقیوں کے ساتھ بھی محبت رکھنی ہوگی کیونکہ وہ بھی دین کا کام ہے۔ طالب علم علم پڑھنے والے دعوت و تبلیغ والوں پر اعتراض مت کریں، ذکر سلوک والوں پر اعتراض مت کریں۔ اپنے شعبے میں کام کرتے رہیں، دوسروں کے ساتھ محبت رکھیں۔ ان

کے ساتھ دعاؤں میں شریک ہوں، ضرورت پڑے تو ان کے تعاون سے پیچھے نہ ہٹیں ۔اسی طرح ذکر وسلوک کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ اللہ تو کریں مگر جو مدارس والے ہیں ان کی مخالفت مت کریں، اس لیے کہ وہ بھی کام ہے، اور نبوی کام ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))

''میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں''

اسی طرح ذکر وسلوک سیکھنے والے تبلیغ والوں پر اعتراض نہ کریں اور تبلیغ کرنے والے ذکر وسلوک سیکھنے والوں پر اعتراض نہ کریں کہ نکلو اللہ کے راستے میں۔ سارے ہی اللہ کے راستے میں کام کر رہے ہیں، ان سے محبت رکھنی ضروری ہے۔ ایک ہی ہسپتال ہوتا ہے، اس میں بھی مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں۔ کوئی آنکھ کا ڈاکٹر ہوتا ہے، کوئی کان کا ڈاکٹر ہوتا ہے، کوئی دل کا ڈاکٹر بن جاتا ہے، لہٰذا سب مل کر مریض کی بیماری دور کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

آج وہ کامل ہستیاں تو نہ رہیں جو دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھیں۔ جن میں تمام صفات ایک میں اکٹھی تھیں۔ جیسے خلفائے راشدین ...... ماشاء اللہ ...... بالکل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات کے آئینے۔ جو کمالات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نیابت کی وجہ سے وہ کمالات عطا فرما دیے۔ ان میں چاروں خوبیاں درجہ کمال میں موجود تھیں۔ لیکن آج کے زمانے میں تمام صفات کے حامل بندوں کا ملنا محال ہے لہٰذا جس کو جس شعبے سے مناسبت ہے وہ اسی میں کام کرتا رہے تو یہ بھی غنیمت ہے۔ چنانچہ اپنے اپنے شعبے میں جو لوگ بھی دین کا کام کر رہے ہیں سب کے ساتھ محبت ہونی چاہیے، سب کے لیے دعا ہونی چاہیے اور سب کے ساتھ نیک امیدیں ہونی چاہئیں۔

دین کا ہر شعبہ اہم ہے:

اگر کوئی یہ کہے کہ باقی شعبوں کے لوگ کام چھوڑ کے صرف یہ کرنا شروع کر دیں تو ان کی غلط فہمی ہے۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آنکھ کا ڈاکٹر کہے کہ اس ہسپتال کے سارے ڈاکٹر آنکھ کے ڈاکٹر بن جائیں۔ یا دل کا ڈاکٹر کہے کہ دل بہت اہم ہے لہٰذا ہسپتال کے سارے ڈاکٹر دل کے اسپیشلسٹ بن جائیں تو یہ غلط ہوگا۔اسے کہیں گے بھئی! جیسے دل کا علاج ضروری ہے ویسے ہی ٹوٹی ہڈی کا جوڑنا بھی ضروری ہے۔

اسی طرح دین کے سب شعبوں میں کام کرنے والے کام کرتے رہیں۔ ہر شعبے کی اپنی اہمیت ہے۔علم کی اپنی اہمیت ہے،ذکر کی اپنی اہمیت ہے،دعوت تبلیغ کی اپنی اہمیت ہے،اقامت دین کے لیے کام کرنے کی اپنی اہمیت ہے۔تو آج تفصیلات کھلتی چلی جا رہی ہیں اس کی وجہ سے اب ذکر وسلوک ایک مستقل کام بن گیا ہے۔

علم ظاہر و باطن کی حامل شخصیات:

پہلے زمانے میں لوگ جن اساتذہ سے علم ظاہر پاتے تھے انہی اساتذہ سے اپنے من کو صاف کرنا سیکھ لیتے تھے۔مثال کے طور پر:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے شاگرد ہیں؟ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے علم بھی پڑھا،حدیث مبارکہ بھی انہی سے پڑھیں اور ساتھ ساتھ باطن کو بھی صاف کرایا۔اس وقت استاد بھی کامل ہوتے تھے۔ ہر ہر استاد صاحب نسبت ہوتا تھا۔وہ شاگردوں کو صرف الفاظ ہی نہیں پڑھاتا تھا بلکہ شاگردوں کے اندر ایمانی صفات بھی پیدا کرنا ان کو سکھایا کرتا تھا۔چنانچہ ان کی صحبت میں جو شاگرد دورہ کر نکلتے تھے،وہ ماشاء اللہ اپنے من کو صاف کر کے نکلتے تھے۔آج ایسا وقت نہیں رہا۔

ذکر وسلوک کا ایک الگ شعبہ ہے:

اس عاجز نے مدرسے کے ایک استاد سے کہا کہ آپ سبق تو پڑھاتے ہیں ذرا بچوں کی تربیت پہ بھی توجہ دیا کریں، ان کو سکھایا کریں، ان کو کہا کریں۔ انہوں نے آگے سے جواب دیا جی کہ بات یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ایک بات کی نشاندہی کریں گے تو یہ ہماری زندگی کی دس باتوں کی نشاندہی کر دیں گے۔ یہ کام آپ لوگوں نے سنبھالا ہوا ہے جب آپ کہیں گے آپ کی بات یہ مان بھی لیں گے اور آپ کی ڈانٹ بھی سن لیں گے۔ چونکہ محبت اور عقیدت کا تعلق آپ سے ہے۔ اس لیے ہم تو ان کو سبق پڑھا دیتے ہیں جو مدرسے میں ذمے ہے اور باقی یہ جانیں اور ان کا کام جانے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ذکر ایک مستقل شعبہ ہے اس شعبے میں بندے کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ اپنے من کو صاف کیسے کیا جائے؟ اچھے اخلاق کیسے حاصل کیے جائیں؟ ان بیماریوں کو کیسے دور کیا جائے؟ عبادات کے اندر یکسوئی اور جمعیت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

مقامِ احسان شریعت کی نظر میں:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے آ کر عرض کیا:

اے اللہ کے محبوب!

((مَا الْإِيْمَانُ)) "ایمان کیا ہے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے دیا۔ کہنے لگے:

((صَدَقْتَ)) "آپ نے سچ کہا"

پھر پوچھا:

((مَا الْإِسْلَامُ)) "اسلام کیا ہے"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا بھی جواب دے دیا۔ فرمایا:

((صَدَقْتَ)) ''آپ نے سچ کہا''

پھر انہوں نے پوچھا:

((مَاالْاِحْسَانُ)) ''احسان کیا ہے''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ))

اس پر بھی انہوں نے کہا:

((صَدَقْتَ)) ''آپ نے سچ کہا''

اور وہ چلے گئے

جب چلے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا: اے اللہ کے محبوب! یہ کون تھے؟ فرمایا جبرئیل علیہ السلام۔ یہ جبرئیل علیہ السلام آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں چیزیں دین میں داخل ہیں۔ دین کا حصہ ہیں اب جو لوگ دین پر محنت کریں کہ

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ))

یہ کیفیت ہمیں نصیب ہو جائے تو کیا وہ دین سے ہٹ کر کام کر رہے ہیں؟

فہمِ حدیث کے لیے استاد کی ضرورت:

اب آج کے زمانے میں کچھ ایسے لوگ ہیں، بیچارے مانتے تو وہ کسی کی ہیں نہیں، وہ کہتے بھی ہیں کہ ہم نے کسی کے پیچھے نہیں چلنا، ہم تو بس اپنے نفس کے پیچھے چلیں گے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ کہتے ہیں: جی بس خود ہی کتاب پڑھیں گے، ہمیں اب کسی استاد کی کوئی ضرورت نہیں۔ کتاب پڑھیں گے اور جو سمجھ میں آیا اسی پر عمل کریں گے۔ یعنی ایسا ہی ہے کہ کوئی بندہ کہے آج کے بعد ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں، بس ہم

کتاب پڑھیں گے اور اپنا علاج خود ہی تجویز کیا کریں گے۔ بھئی! اس طرح جلدی مرو گے، اور کیا ہوتا ہے؟

یہی حال ہے، کہتے ہیں کہ ہم خود حدیث پڑھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ بھئی! پڑھنی تو حدیث ہی ہے مگر استاد کی ضرورت ختم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ استاد کے بغیر جب انسان پڑھتا ہے تو اس میں اس کو ضرور غلطی لگتی ہے۔

صاحب علم کو مغالطہ لگنے کی مثالیں:

◉ کیمسٹری کے ایک پروفیسر تھے، ان کا نام تھا چیمہ صاحب۔ اب چیمہ بھی CH (سی ایچ) سے آگے لکھا جاتا ہے (Chima) اور کیمسٹری بھی سی ایچ سے لکھی جاتی ہے (Chemistry)۔ تو وہ دوست کہتے ہیں کہ ہمارے چیمسٹری کے پروفیسر چیمہ صاحب ہیں۔ تو جب پروفیسر صاحب نے سنا تو کہتے ہیں کہ بھئی چیمسٹری نہیں کیمسٹری ہے۔ تو وہ کہتے کیمہ صاحب بات یہ ہے کہ اگر سی ایچ سے (ک) کیمسٹری ہے تو پھر آپ کا نام بھی سی ایچ سے کیمہ صاحب بننا چاہیے۔ تو یہاں استاد کی ضرورت ہے، استاد بتائے گا کہ کہاں کاف بنے گی اور کہاں "چ" بنے گی۔ اکیلا بندہ تو تماشہ کرے گا ناں۔

◉ اور یہ غلط فہمی صاحب علم کو بھی ہو سکتی ہے۔ ایک مرتبہ بہت بڑے شیخ الحدیث شہر تشریف لے گئے تو کہنے لگے بھئی کیا بات ہے؟ کراچی والوں کو سورۃ تبت زیادہ اچھی لگتی ہے، سورۃ اخلاص اچھی نہیں لگتی۔ انہوں نے کہا نہیں، ایسی بات تو نہیں ہے، آپ کیسے یہ بات کہہ رہے ہیں؟ فرمانے لگے: میں ایئرپورٹ سے مدرسہ تک آیا ہوں تو ہر جگہ لکھا ہوا تھا، تبت سنو، تبت سنو، تو ان کو سورۃ تبت یدا اچھی لگتی ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت! یہ تبت سنو نہیں یہ ایک فیس کریم ہے، تبت سنو (tibet

snow) اس کا نام لکھا ہوا ہے۔ تو صاحب علم کو بھی اسی طرح کا مغالطہ لگ سکتا ہے، تو پھر استاد بتاتا ہے کہ یہ اس طرح نہیں اس طرح ہے۔ اسی لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب دیکھیں کہ لکھنے میں لفظ کو کرنل پڑھا جائے گا، استاد بتائے گا کہ یہ کرنل ہے۔ تو کچھ حروف ایسے ہیں جو لکھے تو جاتے ہیں، پڑھے نہیں جاتے۔ یہ کون بتائے گا ؟ یہ استاد بتائے گا۔ تو جب ان عام مضامین میں استاد کی ضرورت ہے تو دین کے سیکھنے میں تو اور زیادہ استاد کی ضرورت ہے۔ تو کچھ ہمارے وہ دوست ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم تو خود حدیث پڑھ کے اس پر عمل کریں گے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم مراقبہ تب کریں گے، جب حدیث کی کتاب میں کہیں ہمیں ملے گا۔ تو بھئی! اشارے تو ملتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تصوف کے جتنے بھی اسباق ہیں وہ حدیث کے اندر دکھاؤ تب ہم عمل کریں گے۔

ایک سوال کا الزامی جواب:

ایک صاحب مجھے کہنے لگے: او جی! جب تک آپ مجھے بخاری شریف میں کوئی چیز نہیں دکھائیں گے میں نہیں مانوں گا۔ ہم نے کہا: ہمیں بخاری شریف کی دلیل شریعت میں کہیں دکھاؤ! آپ جو کہتے ہیں: بخاری شریف، تو اس کا تذکرہ کہیں قرآن مجید میں ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟ بات بات میں بخاری شریف۔ تو بھئی ذکر کی اہمیت، ذکر کی ضرورت، یہ تمام اصول یہ تمام باتیں ہمیں قرآن مجید میں ملیں گی۔ اس کی تفصیل کیا ہے؟ طریقہ کیا ہے؟ کب کرنا ہے؟ اس کی تفصیلات شریعت نے مشائخ وقت کے کندھوں پہ ڈالی ہیں۔ چنانچہ جس بات پر مشائخ کا اجماع ہوگا وہی ٹھیک ہو گا۔

ذکر سرّی اور ذکر خفی کے اشارے:

بعض حضرات: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر کرتے ہیں، وہ بھی ٹھیک ہے، حدیث پاک سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ جبکہ بعض حضرات خاموش بیٹھتے ہیں تفکر کرتے ہیں، سوچتے ہیں، اس کا بھی حدیث پاک میں اشارہ ملتا ہے۔ یہ خفی طریقہ بھی جائز ہو گیا اور سری طریقہ بھی جائز ہے۔

مراقبہ کا اصل مقصد:

تو اس لیے یہ وہم ذہن سے نکال دینا چاہیے کہ ہم تو عالم ہیں، ہم تو مفتی ہیں، ہم تو فلاں ہیں اور جب مشائخ کے پاس جاتے ہیں تو یہ مراقبے شروع کروا دیتے ہیں۔ تو یہ مراقبے ذریعہ اور وسیلہ کے طور پہ کرواتے ہیں، اصل مقصود تو توجہ الی اللہ ہے، یہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ کون کہتا ہے؟ کہ یہ فرض ہے یہ تو صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اس لیے ہمارے مشائخ ان اسباق سے گزر کر جب آخری اسباق تک پہنچتے ہیں تو پھر ان کی ترقی قرآن کے پڑھنے پہ ہوتی ہے، نماز پڑھنے میں ہوتی ہے۔ اس وقت یہ عام مراقبوں کی بجائے ان اعمال میں زیادہ لگتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے تصوف کے ان اسباق میں لکھا ہوا ہے کہ اس مراقبے میں پہنچ کر نوافل کے زیادہ پڑھنے سے فائدہ ہوتا ہے، اس سبق میں پہنچ کر زیادہ تلاوت قرآن سے فائدہ ہوتا ہے۔ تو اصل مقصود تو اس کی طرف آتا ہے، یہ تو صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اگر ذہن میں اس قسم کی کوئی بات آئے کہ جب بھی محفل ہوتی ہے تو کہتے ہیں سر کو جھکا لو! آنکھوں کو بند کر لو! بھئی! یہ ایک ذریعہ ہے، اس کے بغیر بندے کے اندر یکسوئی پیدا نہیں ہوتی، اس ذریعے کے طور پر اس کو سکھاتے ہیں۔ باقی یہ کہ تزکیہ

حاصل کرنا بندے پر لازم ہے اس سے انسان فرار اختیار نہیں کر سکتا۔

ایک شیخ الحدیث کی حالتِ زار:

ہمیں ایک دفعہ ایک شیخ الحدیث صاحب مل گئے مگر ایسے مدرسے سے پڑھے ہوئے تھے کہ جہاں پہلے دن بندے کو قرآن بھی پڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور ساتھ بخاری شریف بھی پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے ہی دن اور وہ بھی بچے کو۔ اس کو قاعدہ بھی شروع کروا دیتے ہیں اور ساتھ بخاری شریف بھی۔ تو وہ اس مدرسے کے تھے۔ خیر پہلے تو انہوں نے آ کے بیان سنا اور بیان سننے کے بعد کہنے لگے کہ آپ کی باتیں تو دل کی صفائی کے بارے میں بڑی اچھی تھیں، دل کو لگیں۔ مگر ان کا تذکرہ تو حدیث میں کہیں نظر ہی نہیں آتا۔

میں نے ان کو کہا: جو تذکرہ نظر آتا ہے وہ تو حاصل کرو نا...... ہم یہ نہیں کہتے کہ جو تذکرہ تمہیں نظر نہیں آتا وہ کرو۔ میں نے پوچھا: احسان کی کیفیت کو حاصل کرنے کا تذکرہ ہے؟ کہنے لگے: ہے۔ میں نے کہا: یقین ہے یا نہیں ہے؟ ((یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ)) کا لفظ جو آ گیا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ دین کا حصہ ہے۔ اگر اس کو حاصل نہیں کریں گے تو دین کے اس حصے کو آپ حاصل نہیں کریں گے۔ کہنے لگا ہاں یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔ میں نے کہا: بتاؤ! پھر نماز میں یہ کیفیت حاصل ہوئی؟ کہنے لگا نہیں۔ تو دین تو نامکمل ہے ابھی تک۔ تم کرو اس کو مکمل۔ ہم کب کہتے ہیں کہ وہ کرو جس کا ذکر نہیں ہے ہم کہتے ہیں جو ہے وہ کر کے دکھاؤ۔

کہنے لگے: میں اسی مصیبت میں تو پڑا ہوا ہوں، اتنے سال گزر گئے، حدیث پڑھاتے ہوئے اور حالت میری یہ ہے کہ نہ میری آنکھ قابو میں ہے، نہ دل، نہ نماز۔ میں نے کہا: اسی لیے یہ تزکیۂ نفس کا حاصل کرنا یا احسان کی جو کیفیت ہے اس کو حاصل کرنا بھی ہماری ضرورت ہے۔ یہ کوئی نفلی کام نہیں ہے۔

کیا ذکر و سلوک کا کام نفلی کام ہے؟

آج کے دور کا ایک اور فتنہ یہ بھی ہے۔ اکثر علما نے ذکر و سلوک کو نفلی کام سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی بیٹھا ورد وظیفہ کر رہا ہو تو ان کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ نفلی کام کر رہا ہے، صوفی صاحب ہے۔ ضروری ہی نہیں سمجھتے کہ یہ ہمارے لیے بھی ضروری ہے۔ بھئی یہ ضروری ہے اس کے بغیر اندر کی میل دور نہیں ہوگی۔

((لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ))

''ہر چیز کے پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کی یاد ہے''

چند مغالطوں کا ازالہ:

اب اگر کہیں کہ کچھ وقت نکالیں تو کہتے ہیں کہ مراقبہ کہاں سے آگیا؟ فلاں کہاں سے آگیا؟ تو اس لیے شیطان جو فوری مغالطہ ذہن میں ڈال دیتا ہے، اس کو کلیر کرنا ضروری ہے۔

آج کے دور میں تو چونکہ داغ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کیمیکل کو لگائے بغیر دھبے دور ہی نہیں ہوتے۔ ہوتے ہیں تو آپ بھی کر لیجیے، ہمیں بھی بتا دیجیے۔ ہم کون سا اس کو فرض کہہ رہے ہیں۔ ہمارے مشائخ نے جو اسباق بتائے لاکھوں انسانوں نے کیے اور اللہ نے ان کو نسبت کا نور عطا کیا۔ اور اس نسبت کے نور کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کو صبر اور شکر کی زندگی نصیب ہوئی۔ ان کو قضا و قدر کے اوپر اطمینان نصیب ہوا اور ان کو شریعت کی کسی بات کو قبول کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوئی۔ بلا دلیل انہوں نے سب مانا: اب یہ نعمتیں کسی کو بغیر اسباق کے نصیب ہیں تو وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ ہم اس بندے کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

بھئی دیکھیں! ایک ہوتا ہے چھت کے اوپر سیڑھیوں سے چڑھ کے جانا۔ اور

ایک بندہ پہلے ہی چڑھ کے کھڑا ہو، ہم اس کو مبارک باد ہی دیں گے تاکہ آپ پہلے سے چڑھ کے کھڑے ہیں یا پہنچے ہوئے ہیں۔ جب شریعت نے کہہ دیا کہ چھت پر پہنچو تو اب جو ایک چھلانگ لگا کے پہنچ سکتا ہے، وہ پہنچے۔ جو ایسے نہیں پہنچ سکتا تو پھر سیڑھیوں کے ذریعے پہنچے اور اگر سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے، ہڈی کے جوڑ میں درد ہے تو لفٹ کے ذریعے چھت پہ پہنچے۔ یہ تو سب ذرائع ہیں اصل تو چھت پہ پہنچنا ہے۔ یہی حال ان معاملات کا ہے۔ اصل مقصود اپنے من کو صاف کرنا ہے۔ خفی ذکر، جہری ذکر، مراقبے اور باقی مجاہدے، نفس کے خلاف کرنا، کم کھانا، کم سونا، کم باتیں کرنا یہ سب کے سب سیڑھیاں ہیں یا لفٹ ہیں یا اوپر چڑھنے کے لیے رسی کا ذریعہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی کو رسی کے ذریعے اوپر چڑھنا آسان لگے، کسی کو سیڑھی کے ذریعے آسان لگے، کسی کو لفٹ کے ذریعے آسان لگے، مگر سب کے لیے چھت پہ چڑھنا ضروری ہے۔

بالکل اسی طرح مقام احسان چونکہ دین کا ایک حصہ ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے لیے اس کیفیت کا حاصل کرنا ضروری نہیں۔ یہ دین ہے، اگر ہم اس کو حاصل نہیں کریں گے تو دین کے ایک حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ تو شاگرد کو بھی لازم ہے، استاد پر بھی لازم ہے، دفتر والے پر بھی لازم ہے، مدرسے والے پر بھی لازم ہے۔ ضرورت کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اب حاصل کیسے کیا جائے؟ اس میں ہم کسی کے ساتھ اصرار نہیں کرتے کہ تم یونہی کرو گے تو سنورو گے۔ یہ تو تجربہ کی بات ہے۔

ہمارے مشائخ کو اللہ نے جو بصیرت دی تو انہوں نے اس طریقہ ذکر کو اختیار کیا اور اللہ نے انکو یہ نعمت عطا فرمائی۔ تو صاف ظاہر ہے جس بندے کو جس دوائی سے فائدہ ہوتا ہے وہ دوائی دوسروں کو بھی بتاتا ہے۔ یہ ذکر و سلوک اسباق دوائیاں ہیں ہمارے مشائخ نے اس سے فائدہ پایا، صحت پائی اور انہوں نے دوسروں کو بھی بتایا کہ

بھئی تم بھی یہ دوائیاں استعمال کرنا۔تو ہم بھی وہی دوائیاں استعمال کر رہے ہیں۔
ذکر کے اثرات یقیناً ہوتے ہیں، چیزوں کو نتائج کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے۔عصری علوم کے ہم مخالف نہیں ہیں، لیکن جب نتائج برے نکلتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سکول اور یونیورسٹیاں ٹھیک نہیں ہیں۔ورنہ کیمسٹری پڑھنا، فزکس پڑھنا، حساب پڑھنا، کمپیوٹر پڑھنا کوئی خلاف شرع کام نہیں ہے۔یہ عصری علوم وقت کی ضرورت ہیں اور دینی علوم مقصدِ زندگی ہیں۔ہم اگر کبھی اس پر تنقید کرتے ہیں تو اس لیے کرتے ہیں کہ عصری علوم جن جگہوں پر حاصل کرتے ہیں، وہاں جانے والے طلبا اکثر اوقات شک کے مریض بن جاتے ہیں۔دین سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نتائج دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہ سکول اور یونیورسٹیاں ٹھیک نہیں۔ہمارے جو ذکر وسلوک کے نتائج ہیں ان کو دیکھیں۔ہمارے مشائخ نے الحمد للہ استقامت کے ساتھ اس پر عمل کر کے دکھایا۔

اکابر علمائے دیوبند میں ذکر کا اہتمام:

اکابرین علمائے دیوبند کی زندگیوں کو دیکھیں ان میں آپ ذکر کا اہتمام پائیں گے۔آج بھی اگر آپ دارالعلوم دیوبند جائیں تو آپ میاں عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا کمرہ علیحدہ پائیں گے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمرہ علیحدہ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کمرہ علیحدہ۔بھئی یہ چھوٹے چھوٹے کمرے کیوں بنے ہوئے ہیں؟ کہنے لگے کہ وہ یہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کرتے ہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خوش نصیبی:

یہ عاجز تھانہ بھون حاضر ہوا۔تھانہ بھون کے جو سجادہ نشین اور مہتمم تھے، عالم تھے۔وہ فرمانے لگے کہ ہم نے آپ کے سونے کا انتظام کر دیا ہے۔چنانچہ وہ مجھے

ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئے کہ یہاں سو جائیں۔ میں ذرا دیکھا ایسے ہی کہ بندہ دیکھتا تو ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کمرہ اصل میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ آج آپ کے آنے کی وجہ ہم نے اس کو کھولا اور آپ کا بستر یہاں لگوایا۔ تو آج بھی ان مشائخ کی وہ جگہیں موجود ہیں۔

اگر ان اکابرین کو خلوت کی ضرورت پڑتی تھی تو کیا آج کے طالب علموں کو اس کی ضرورت نہیں ہے؟ ذکر کو اہم نہ سمجھنے کی وجہ سے معمولات ہی نہیں کرتے۔ اکثر طلبا سے پوچھیں کہ مراقبہ کرتے ہیں؟ تو کہتے ہیں: جی وقت ہی نہیں ملتا۔ وقت تو ملتا ہے اصل میں دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے، وہ اس کو نفلی سا کام سمجھتے ہیں، فارغ بندہ جس کو کوئی کام نہیں ہے وہ یہ کرلے۔ نہیں، یہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے تزکیہ ملتا ہے اور تزکیہ کی اہمیت پر بنیاد رکھ کر اس کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے جو اوراد و ظائف بتائے جاتے ہیں، وہ انتہائی اہم ہوتے ہیں ان کی وجہ سے پھر باطن میں نور آتا ہے۔

تکبر سے چھٹکارا کیسے؟

یہ اوراد و وظائف نہ کیے جائیں تو تکبر سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ جو ''ت ک ب ر'' ہے یہ اندر سے نہیں نکلتا۔ بندہ جتنا علم حاصل کرے، علم کے باوجود یہ ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن مجید سے سنیے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف:۱۴۶)

''ہم اپنی آیات سے پھیر دیتے ہیں ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں''

عبادت کے باوجود تکبر آتا ہے اس سے جان چھڑانی ایک مصیبت ہے۔ اس

کے بالمقابل تواضع ہے اور تواضع کا حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اب کیسے حاصل کریں گے؟ یہی اسباق، یہی سلوک، یہی طریقہ، کبر سے جان چھڑانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ بندہ پھر ایسے مٹ جاتا ہے کہ اس کے اندر تواضع آجاتی ہے، جیسے مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تواضع آگئی تھی۔

ایسے مٹے ہوئے تھے کہ لوگ ان کو پہچان بھی نہیں پاتے تھے، درویش آدمی۔ حتیٰ کہ جب شاہ جہاں پور گئے، مباحثہ شاہ جہاں پور میں شرکت کے لیے، ایک کمرہ بک کروایا، سرائے میں جا کر اور وہاں آرام کر لیا۔ جو استقبال کے لیے آئے تھے، وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچ گئے۔ تو ایک شاگرد نے کہا: حضرت! ہم تو آپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر پہنچے ہوئے تھے۔ فرمایا: اس لیے تو میں آیا ہی نہیں کہ میں استقبال کے قابل ہی نہیں۔ پھر اس کے بعد عجیب بات کہی، فرمایا: چند لفظ پڑھ لیے ہیں دنیا پہچان گئی، ورنہ تو قاسم اپنے آپ کو اس طرح مٹاتا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا۔

اب یہ ہے اصل مقصود۔ ایسی تواضع ہو دل میں کہ بندہ سوچے اپنے آپ کو ایسے مٹاؤں کسی کو پتہ ہی نہ چلے۔ یہ اس ذکر کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی۔

بے نفسی ہو تو ایسی:

حضرت خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ خیر المدارس کے بانی تھے، ایک مرتبہ حدیث پاک پڑھا رہے تھے، درمیان میں کوئی اشکال پیدا ہوا اور وہ رفع ہی نہیں ہوتا تھا۔ کتاب کو بھی بار بار دیکھا حاشیہ بھی دیکھا لیکن ذہن میں کوئی بات آ نہیں رہی تھی، وہ کھرے لوگ تھے، انہوں نے شاگردوں کو بھی الفاظ بتا دیے کہ میں یہ پڑھ رہا تھا تو یہ اشکال وارد ہوا ہے اور مجھے جواب نہیں آرہا۔ شاگردوں نے بھی اس پر سوچا۔ بڑی بڑی استعداد والے بچے ہوتے ہیں، ان کو بھی کوئی بات سمجھ نہ آئی، تو جب کچھ دیر اس طرح رہی تو حضرت فرمانے لگے کہ اچھا! وہ جو فلاں مولانا ہیں، میں ذرا ان سے

پوچھ کے آتا ہوں۔ وہ مولانا ان کے شاگرد تھے، دورہ انہوں نے حضرت سے کیا تھا، استعداد اچھی تھی۔ حضرت نے انہیں اپنے ہی دارالعلوم میں رکھ لیا تھا اور وہ حدیث پاک کی کوئی کتاب پڑھاتے تھے، اس وقت وہ قریب کے ایک کمرے میں کتاب پڑھا رہے تھے۔ حضرت نے کہا: کہ میں ذرا ان سے پوچھ کے آتا ہوں۔ انہوں نے بخاری شریف اٹھائی اور پوچھنے کے لیے چلے۔ ایک طالب علم بھاگا، ہمارے شیخ جارہے ہیں، انہوں نے جلدی سے ان کو جا کر بتا دیا کہ وہ حضرت تشریف لا رہے ہیں، آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنا درس موقوف کیا، وہ بھی باہر برآمدے میں نکل آئے۔ اب استاد اور شاگرد کی برآمدے میں ملاقات ہوئی، استاد کے ہاتھ میں بخاری شریف پکڑی ہوئی ہے اور اپنے شاگرد سے فرماتے ہیں، مولانا یہ اشکال وارد ہو رہا ہے سمجھ نہیں آرہی آپ ذرا مجھے سمجھا دیں۔

انہوں نے بخاری شریف دیکھی تو اس جگہ پر عبارت جب پڑھی تو فوراً جواب ذہن میں آگیا۔ تازہ تازہ پڑھا ہوا تھا، علم اچھا تھا، استعداد اچھی تھی، ہونہار تھے، جب ان کے ذہن میں جواب آگیا تو آگے حضرت کو کہنے لگے: حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا اس وقت اس جگہ پر پہنچ کر آپ نے اس کا جواب یہ کہا تھا اور آگے جواب بتا دیا۔ یہ ہوتی ہے تواضع۔ یہ نہیں کہا کہ استاد پوچھنے آئے ہیں دیکھو جی، میں اس کا جواب دے رہا ہوں۔ نہیں، یہ تواضع ہمارے کیسے آئے؟

ہماری حالت تو یہ ہوتی ہم چناں ڈنگرے نیست۔ تو اس کبر سے جان کیسے چھوٹے گی؟ ہمارے مشائخ اس میں کو کچلنے کیلئے اسباق کرواتے ہیں، مجاہدے کرواتے ہیں۔

فقیرانہ کلام:

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا:

"میں" نوں منج فقیرا تے تلی کر کے کٹ

کھلے خزانے رب دے، تے جیویں چاہویں لٹ

کوٹ دینا کسی چیز کو، ریزہ ریزہ بنا دینا اس کو کہتے ہیں: منج کرنا۔ میں نوں منج فقیرا! یعنی اس میں کو اچھی طرح کوٹو۔ اس میں کو مٹا لو، اللہ کے خزانے کھلے ہیں، جیسے چاہے لوٹو۔ ہمیں یہ صفت کیسے نصیب ہوگی؟ اس ذکر کے ذریعے، انہی مراقبوں کے ذریعے، انہی مشائخ کی مجالس کے ذریعے۔ تو یہ سب چیزیں اسباب وسائل اور ذرائع کے طور پر ہیں مقصود وہی ہے جو شریعت نے بتا دیا۔

پھر وہ حقیقت کو سمجھا ہی نہیں:

اب اگر ذہن میں یہ بات آئے کہ یہ پہلا سبق، یہ دوسرا سبق، یہ تیسرا سبق مجھے حدیث سے دکھاؤ! تو بھئی اس نے تو حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ اب اگر کوئی بندہ یہ کہہ دے کہ تم صحاح ستہ کے نام ہی دکھاؤ حدیث میں کہیں۔ بتاؤ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بخاری شریف پڑھی تھی۔ ختم بخاری، افتتاح بخاری، یہ تو آج کے الفاظ ہیں۔ ختم بخاری کی اپنی شان ہے، ہر جگہ بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تو بھئی یہ آج کے دور میں علم حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع ہیں۔ یہ کتاب ایسی ہے جو بہترین ذریعہ ہے علم حدیث کا اور کوئی دوسری کتاب آپ کو ایسی نہیں مل سکتی۔ علمائے امت کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کے بعد اس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، اس لیے اس کو پڑھتے ہیں۔

اسی طرح مشائخ امت اس بات پر متفق ہیں کہ جو بندہ اپنے اندر سے ان باطنی بیماریوں کو دور کرنا چاہتا ہے اسے یہ ذکر و مراقبے کرنے پڑیں گے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

مَنْ لَّا وِرْدَ لَهٗ لَا وَارِدَ لَهٗ

جو بندہ ورد وظیفہ نہیں کرے گا، اس پر کوئی واردات نہیں ہوگی، آزما کے دیکھ

لیجیے، محبتِ الٰہی میں خود آپ کو ترقی محسوس ہوگی۔ ورنہ تو عبادات کرنی مشکل ہوتی ہیں۔ طلبا کے لیے عبادات کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

ذکر اور ذوقِ عبادت:

ایک طالب بتانے لگے کہ جب سے میں نے دورہ مکمل کیا، اتنے سال گزر گئے اب تک میں نے ایک مرتبہ بھی پورا قرآن پاک ترتیب سے نہیں پڑھا۔ دورہ کیے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ پڑھتے ہیں، کبھی کہیں سے کبھی کہیں سے، لیکن ترتیب سے ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھا۔ عبادت کے ساتھ مناسبت ہی نہیں تو بھئی یہ عبادت کا ذوق شوق پیدا ہو جائے، اخلاقِ حمیدہ پیدا ہو جائیں، شہوات دور ہوں، انسان کو حیا اور پاکدامنی کی زندگی نصیب ہو جائے، ان کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے یہ ذکر و اذکار کرنے پڑیں گے۔ اس لیے ہر سالک اپنے شیخ کے ساتھ جو رابطہ ہے اس میں اپنے اسباق کے بارے میں ضرور بتاتا رہے۔ اب کئی سال بعد ملتے ہیں تو جب پوچھتے ہیں کہ سبق کرتے ہو کہ نہیں تو ان کو یاد ہی نہیں ہوتا کہ کوئی سبق ہے بھی یا نہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق کا اجمالی تعارف:

جس طرح ایک کورس ہوتا ہے کہ آپ پہلے یہ پڑھیں گے دوسرے میں یہ پڑھیں گے، تیسرے میں یہ، اس کے بعد آپ ایم اے اسلامیات کر کے ڈگری حاصل کر جائیں گے۔ سولہ سال کا کورس ہے۔ اسی طرح ہمارے مشائخ نے ذکر و سلوک کے اسباق متعین کر دیے۔

حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سولہ (۱۶) اسباق تھے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اور زیادہ معارف دیے تو انہوں نے اس سے بھی اوپر کے مقامات کے بھی اسباق اس میں شامل کر دیے۔ تو ہمارے اس سلسلہ

نقشبندیہ کے پینتیس اسباق ہیں۔

لطیفۂ قلب سے اسباق شروع ہوتے ہیں اور چلتے چلے جاتے ہیں اور ان میں ایسے اسباق آتے ہیں کہ جن کو کر کے بندے کی زندگی بدلتی ہے مثال کے طور پر:

مراقبہ حقیقتِ صلوٰۃ......

اس مراقبے کو کرنے سے پہلے نماز کا پتہ ہی نہیں چلتا اس مراقبے کو کرنے کے بعد وہ جو مقامِ احسان والی نماز کی کیفیت ہے اللہ تعالیٰ وہ نصیب فرمادیتے ہیں۔

مراقبہ حقیقتِ قرآن......

یہ ہمارے سلسلے کا سبق ہے اس کو کرنے کے بعد قرآن مجید سے ایسی محبت پیدا ہوتی ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے بندے کو لذت ملتی ہے۔ جیسے کوئی لذت لے لے کے مشروب پیتا ہے ویسے اللہ کا وہ بندہ اس طرح قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ کعبہ ربانی...... مراقبہ حقیقت محمدی ﷺ، حقیقت موسوی، حقیقت عیسوی، حقیقت ابراہیمی۔

یہ مراقبات ہیں ان مراقبات کو کر کے پھر وہ نعمتیں ملتی ہیں کہ جس کی تمنا میں انسان پوری زندگی گزارے تو وہ بھی تھوڑی ہے۔ تو اس ذکر سلوک کو فقط یہ نہ سمجھیں کہ بس سر جھکا کے بیٹھ گئے تو یہ مراقبہ ہو گیا، نہیں، یہ تو پہلا قدم ہے۔

دل جاری ہونا، پہلا قدم ہے:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دل جاری ہو گیا۔ او بھئی! دل جاری ہونا تو پہلا قدم ہے ایک باغ سے ذرا اس کی بہار کا اندازہ لگاؤ کہ اس کی بہار کیسی ہوگی؟ ذکرِ قلبی کی بات نہیں ہے۔ ذکر قلبی تو اس راستے میں پہلا قدم ہے، جس کو لطیفۂ قالبیہ کہتے ہیں اگر اس کی کیفیت نصیب ہو جائے تو مشائخ نے لکھا ہے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اس کا پورا بدن ذکر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ فقط قلب ہی کی بات نہیں

پھر سالک اپنی آنکھوں کو ذکر کرتا محسوس کرتا ہے، ہونٹوں کو ذکر کرتا محسوس کرتا ہے، پورا جسم اس کو ذکر کرتا محسوس ہوتا ہے۔

بھئی یہ ایک محنت ہے جسے کرنا ہے، اس میں آگے بڑھنا ہے اور اس کو سیکھنا ہے۔ اور یہ بھی عرض کر دوں کہ اس کو سکھانے والے عام نہیں ہیں۔ کہیں کہیں ملتے ہیں۔

بیس سال کی محنت رائیگاں ہوگئی:

مجھے ایک صاحب ملے، وہ بیس سال سے کسی شیخ سے بیعت تھے اور بیس سال میں اس شیخ نے فقط ایک عمل بتایا اور وہ صرف درود شریف پڑھنا تھا۔ وہ عالم تھے کہتے ہیں، میں روزانہ پانچ پانچ گھنٹے مصلے پہ بیٹھ کے اپنے شیخ کے بتائے ہوئے اوراد پڑھتا ہوں۔ میں نے پوچھا: سبق کیا ہے؟ کہنے لگے: گیارہ ہزار مرتبہ درود شریف روز پڑھنا۔ میں نے کہا: یہ تو ورد ہوا۔ آپ بتائیں سبق کیا ہے؟ یہ کوئی کسی سلسلے کے سبقوں میں سے سبق تو نہیں ہے، سبق بتاؤ! اس نے کہا: مجھے سبق کا تو پتہ ہی نہیں۔ گیا تھا بیعت ہوا، شیخ نے کہا: سو مرتبہ درود شریف پڑھو۔ پھر جاتا رہا، بتاتا رہا، پھر انہوں نے سو سے دو سو کر دیا، دو سے تین سو کر دیا۔ بیس سال گزر گئے اب میں گیارہ ہزار مرتبہ درود پڑھتا ہوں، اس کے سوا کوئی سبق نہیں۔

اس کی وجہ کیا تھی کہ اس نے خود سلوک نہیں سیکھا تھا۔ والد کے بڑے صاحبزادے تھے، جانشین بن گئے، لاکھوں روحانی مریضوں کے پیشوا بن گئے، اب جب سلوک خود نہیں سیکھا تو آگے کیا سکھائیں؟ چنانچہ ان کے پاس جو بھی آتا ان کو درود شریف پہ لگا دیتے، پڑھو بھی گیارہ ہزار مرتبہ۔ وہ صاحب اس وقت بہت روئے کہ میں نے بیس سال گھنٹوں محنت کی اور ابھی تک مجھے کسی نے سلوک کے راستے پر ہی

نہیں چلایا۔ یہ ہمارے مشائخ ہوتے ہیں کہ جو آتا ہے اس کو پہلے دن ہی لطیفہ قلب کا وظیفہ دے دیتے ہیں تاکہ موٹروے پر آگے چلتے رہیں۔

مراقبے کو اہمیت دیا کریں:

اس لیے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ نے اللہ تعالیٰ سے ایسا طریقہ مانگا ہے جس میں سالک کی سستی کے سوا کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ یہ موٹروے ہے، بھاگتے چلو۔ لیکن ایک بندہ مراقبہ اور ذکر ہی نہ کرے تو وہ تو ایسا ہی ہے جیسے مریض دوائی ہی نہ کھائے، اس کو شفا کیسے ہوگی؟ تو اس لیے یہ جو روزانہ کے اوراد و وظائف ہیں یہ انتہائی ضروری ہیں ان کو کھانے پینے سے زیادہ ضروری سمجھیے۔ کھانا جسم کی ضرورت ہے، یہ اوراد و وظائف روح کی ضرورت ہیں۔ کھانے پینے میں کوتاہی ہوئی تو موت کے منہ چلے جائیں گے اور اگر روحانی اعمال میں کوتاہی ہوئی تو جہنم کے منہ میں چلے جائیں گے۔

چائے کے ایک کپ کی طرح ہی مراقبے کو اہمیت دے دیا کریں۔ اس کے بغیر تو کئی لوگوں کو چین ہی نہیں آتا۔ جیسا بھی کوئی ہو صبح کا ناشتہ پکا، دوپہر کا کھانا پکا، رات کا کھانا پکا۔ تین وقت کھائیں گے، بھوک ہو نہ ہو، کم ہو یا زیادہ ہو معمول طے ہے۔ بیوی کو کوئی بتاتا ہے کہ دوپہر کا کھانا یا شام کا کھانا پکا دینا۔ وقت بے وقت آتے ہیں توقع کرتے ہیں کہ کھانا پکا ہوگا اور نہ پکا ہو تو دیکھو! بیوی پر کیا مصیبت آتی ہے۔ تو جس طرح کھانے کے بارے میں طے ہے کہ تین مرتبہ کھانا ہے۔ کاش ہم روحانی کھانے کا بھی اتنا اہتمام کر لیتے۔ چاہے آپ فجر سے پہلے ذکر و مراقبہ کریں یا فجر کے بعد کریں عصر کے بعد کریں، مغرب کے بعد کریں، عشاء کے بعد کریں، دو وقت ایسے ہوں کہ ان دو اوقات میں آپ اپنے اسباق کو روزانہ کیا کریں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے اوراد و وظائف:

کچھ ہمارے اوراد و وظائف ہیں جو انسان بیعت ہوتا ہے اس کو چھ باتیں سمجھائی جاتی ہیں

(۱) وقوفِ قلبی۔ (۲) مراقبہ۔ (۳) درود شریف۔
(۴) قرآن پاک۔ (۵) استغفار۔ (۶) صحبتِ شیخ

ان میں سے پانچ چیزیں اوراد و وظائف ہیں اور ایک سبق ہے جس کو لطیفۂ قلب کہتے ہیں۔ جب سالک محنت کرتا ہے تو پھر سبق بدلتا چلا جاتا ہے۔ صرف ایک سبق ہے اور باقی اوراد و وظائف ہیں۔ اگر کسی سے پوچھیں تو کہتے ہیں کہ میں چھ سبق کر رہا ہوں۔ بھئی سبق چھ نہیں سبق ایک ہی ہے جس کو لطیفہ قلب کہا گیا۔ اسباق میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں اور اس پر محنت کریں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ جب فکر لگ جاتی ہے اللہ تعالیٰ بھی راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں ذکر و سلوک کی اہمیت:

تو بات یہ عرض کرنی تھی کہ طلبا اس طرف متوجہ ہوں۔ پہلے ایک وقت تھا کہ مدرسہ کے طلبا کو ذکر نہیں سکھایا جاتا تھا۔ اور یہ واقعی صحیح بات ہے اس لیے کہ ان کو علم حاصل کرنے میں اتنی یکسوئی ہوتی تھی کہ علما و مشائخ اس یکسوئی میں کوئی بھی کمی ہونا پسند نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے مقصود پر جمے رہیں، جمعیت کے ساتھ اس علم کو حاصل کرتے رہیں۔ ان کو ذکر بھی نہیں بتاتے تھے اور کئی مرتبہ بیعت بھی نہیں کیا کرتے تھے، آج کے دور کا معاملہ وہ نہیں ہے۔

آج کے دور میں طالب علم کو علم کے سوا باقی ہر چیز کے پڑھنے سے محبت ہوتی ہے۔ کتاب کو کھولتا ہے، یکسوئی نہیں، یاد کرتا ہے بھول جاتا ہے۔ خارجی چیزوں کی

طرف اس کی توجہ پڑ گئی۔ اتنا الجھ گیا کہ اسے پڑھنے کی طرف یکسوئی ہی نہیں ہوتی، اس کا دل ہی نہیں چاہتا پڑھنے کو۔ ہم ایسے طلبا کو بھی جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ کلاس میں جاتے ہیں اونگھتے رہتے ہیں، واپس آتے ہیں نہ تکرار ہوتا ہے نہ کچھ ہوتا ہے، بس سال گزرتا جارہا ہے۔ اب یہ بچہ جو پڑھ بھی ٹھیک نہیں رہا، اب اس کے بارے میں کہیں کہ اس کو بیعت کریں تو یہ بڑی بات نہیں ہے۔ اس کو بیعت کرنا چاہیے، اس کو ذکر بتانا چاہیے، تاکہ محبت الٰہی بڑھے اور اس کا علم کی طرف پہلے کی نسبت رجوع زیادہ ہو۔

ہمارے تجربہ میں یہ بات آئی کہ جن مدارس کے طلبا سلسلے میں داخل ہوتے ہیں، بیعت ہوتے ہیں، ان کے اندر عبادت کا بھی شوق آجاتا ہے، وہ اپنی کتابوں کے مطالعہ میں بھی پہلے کی نسبت بہت بہتر ہوجاتے ہیں۔ ان کے اساتذہ ہمیں بتاتے ہیں کہ جب سے طلبا ذکر کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تب سے علم کی طرف ان کی دلچسپی زیادہ ہوگئی ہے۔ تو اب یہ جو بیعت کا عمل ہے یہ علم میں رکاوٹ نہیں بلکہ علم کے لیے معاون بن گیا۔ جس نے بیعت کی اب وہ نگاہیں بھی بچائے گا، جھوٹ سے بھی بچے گا، مخلوق کے ساتھ نفسانی تعلقات سے بھی بچے گا۔ تو ذکر کی برکت سے علم میں ترقی جلدی ہوجاتی ہے، تیز ہوجاتی ہے۔ ہمارے مشائخ آج کے دور میں طلبا کو بھی بیعت کرلیتے ہیں، ہاں لمبے وظیفے نہیں بتاتے۔

طلبا اور معمولات کی پابندی:

اگر ایک طالب علم ہے تو اس کو کوئی گھنٹوں مراقبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوران سال وہ کیا کرے؟ وہ ہر نماز میں چند منٹ پہلے آنے کی عادت ڈالے۔ یہ تو اب کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے، ہر مدرسے میں اذان کے وقت چھٹی ہوجاتی ہے، جو مرضی کلاس ہو رہی ہو، تو پندرہ بیس منٹ ہوتے ہیں نا...... اگر اس وقت کو ضائع

کرنے کی بجائے وضو کر کے مسجد میں پہنچ جائیں سنتیں بھی ادا کریں۔ سنتوں اور فرضوں کے درمیان پانچ منٹ، سات منٹ، دس منٹ، جو چند منٹ ہیں اگر طالبعلم اس میں بیٹھ کے مراقبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے من کو روشن فرما دیں گے۔ اب یہ کون سا مشکل کام ہے؟! اگر طالب علم کہے کہ میرے پاس فرصت نہیں۔ بھئی! نماز تو پڑھنی ہے۔ چاہیں تو وقت نکال سکتے ہیں۔

ہوتا کیا ہے کہ اذان ہو گئی کہ مسجد میں آگئے اور جہاں جوتے پڑے ہیں وہاں کھڑے ہو جاتے ہیں اور گھڑی دیکھ کر کہتے ہیں ابھی ایک منٹ باقی ہے۔ اب یہ جوتوں پہ کھڑے ہو کر پندرہ منٹ گزار رہے ہیں اور گھڑی دیکھ کے کہتے ہیں ابھی جماعت میں ایک منٹ باقی ہے۔ تو کیا اس وقت کو ضائع ہونا چاہیے؟ اس وقت کو ضائع کرنے کی بجائے قیمتی بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نماز اور سنتوں کے وقت کی ہی پابندی کرتے رہیں تو تسبیحات بھی ہو جاتی ہیں اور مراقبہ بھی ہو جاتا ہے۔

اچھا! یہ بتائیں کہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنا ہو تو کتنا وقت لگ جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگ جائیں گے۔ تو سنتوں اور فرضوں کے درمیان ایک تسبیح آرام سے پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر ذرا اسپیڈ سے پڑھیں تو پانچ منٹ میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ سو مرتبہ درود شریف پڑھنا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے، وقت بھی ہوتا ہے کر بھی سکتے ہیں مگر نفس بہانے بنا رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آج سے اپنے دلوں میں یہ ارادہ کر لیجیے کہ ہم نفس کو بہانے بنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اپنے معمولات پر ہم روزانہ پابندی سے عمل کریں گے۔ کھانا تو قربان کر دیں گے اپنے معمولات کو قربان نہیں ہونے دیں گے۔

اگر آپ نے یہ معمولات باقاعدگی سے کرنے شروع کر دیے تو یقیناً اس دوائی کا اثر آپ دیکھیں گے۔ جیسے بندے کو دو ضرب دو چار کا پکا یقین ہوتا ہے، اس عاجز کو ایسے

ہی پکا یقین ہے کہ یہ ایسے اسباق ہیں جو بندہ بھی ان کو کرنا شروع کرے گا اس کے من کی حالت ضرور بدلے گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ تبدیلی نہ آئے، ممکن ہی نہیں۔ یہ کوئی نئی گولی نہیں نکلی کہ آج کل ٹیسٹ ہو رہی ہے۔ کروڑوں لوگوں نے اس کو استعمال کیا اور شفا پائی اور انہوں نے یہ بات ہم تک پہنچائی کہ اگر تم بھی اس کو استعمال کرو گے تو شفا پا جاؤ گے۔ یہ اوراد و وظائف ہوتے ہیں۔

یہ جو ہوتا ہے کہ جب بھی پوچھیں مراقبہ کرتے ہو جی حضرت وقت نہیں ملتا۔ تو یہ شیطان کا بہت بڑا جال ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چلو محبت میں آ کے بیعت تو ہو گئے اب ان کو آگے نہ کچھ کرنے دوں۔ اس کو پتہ ہے کہ ذکر کر جائیں گے تو مجھ سے بچ جائیں گے۔

انبیا علیہم السلام کو ذکر کرنے کی تلقین:

تو ذکر کی کثرت انتہائی ضروری ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کا حکم پروردگار اپنے انبیا کو فرما رہے ہیں۔ اب بتائیں انبیا کا کتنا بلند مقام ہوتا ہے؟ انکا کام کتنا اعلیٰ کام ہوتا ہے؟ اللہ رب العزت دو انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج رہے ہیں دین کی دعوت کے لیے اور فرما رہے ہیں:

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ: ۴۲)

"جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری آیتیں لے کر مگر تم دونوں میرے ذکر سے غافل نہ ہونا"

اللہ تعالیٰ اگر انبیائے کرام کو یہ فرماتے ہیں تو پھر کیا انبیاء کے جو وارث ہیں، نائب ہیں، ان کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ اسی ذکر نہ کرنے کی وجہ سے آج اخلاقی حالت بہت بری ہو گئی ہے۔

نوجوانوں کی پریشانی کا حل:

کئی نوجوان اپنے آپ سے بہت تنگ ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو بدلیں تو ان کا حل یہی ہے کہ وہ اپنے اوراد و وظائف کو پابندی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کی حالت کو بدلیں گے۔ کب تک ہم نفس کے غلام بنے پھریں گے؟ کب تک ہم شیطانی خواہشات کو پورا کرتے رہیں گے؟ وہ غلا پن کب تک رہے گا؟ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بندے کے ساتھ تو نہیں کہ ہم دھوکہ دے جائیں گے۔ علیم اور قدیر کے ساتھ معاملہ ہے، سمارٹ بننے کی کوشش ہم نہ کریں۔ سیدھا سیدھا جیسے کوئی اونٹ ہوتا ہے اگر اس کی نکیل بچے کے ہاتھ میں پکڑا دو تو وہ سر جھکا کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے ہم اسی طرح نبی علیہ السلام کے بتلائے ہوئے راستے کی طرف سر جھکا کے چلنا شروع کر دیں۔

اسی میں ہماری نجات ہے۔ آپ ان اوراد و وظائف کی خوب پابندی فرمایئے گا۔ تاکہ اللہ رب العزت ہمارے قلب کی سختی کو دور فرمائیں، غفلت کو دور فرمائیں اور ہمیں قلب میں اپنی یاد دوامی زندگی نصیب فرمائے۔

اللہ وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
دائم رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو
دل دے کہ ترے عشق میں یہ حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسا دل عطا فرمادیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿مَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾
(الشوریٰ:۳۰)

گناہوں سے بچو

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

اقتباس

یہ گناہوں کے وہ نقصانات ہیں جو انسان کو دنیا ہی میں نظر آئیں گے۔ یعنی آخرت میں جو نقصان ہوگا وہ تو ہوگا ہی، لیکن دنیا میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ وہ رد عمل ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جیسے دنیا کا ایک آٹو میٹک نظام ہوتا ہے اسی طرح یہ آٹو میٹک ایک رد عمل ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر آپ منہ کے اندر لقمہ ڈال لیں تو ڈالنے تک تو آپ کو اختیار ہے، پھر اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ میرا جسم اس لقمے کو ہضم نہ کرے یا اس لقمہ کو میری مرضی کے مطابق ہضم کرے تو اب آپ کی مرضی ہرگز نہیں چلے گی۔ وہ ایک آٹو میٹک نظام ہے، جب اس کے اندر لقمہ داخل ہو گیا تو اب اس میں آپ کا اختیار نہیں چل سکتا۔ اسی طرح جس انسان نے گناہ کا ارتکاب کیا وہ بھی ایک آٹو میٹک نظام کے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ نظام اس کا اثر دکھا کر رہے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

گناہوں سے بچو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾ (الشوریٰ:۳۰)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ایک خدائی قانون:

انسان جو بھی اعمال کرتا ہے ان کے اثرات ہوتے ہیں۔ دنیا کا قانون ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔

For any action, there is equal and apposite reaction

جس طرح مادی قانون یہ ہے، اسی طرح یہ بھی ایک قانون ہے کہ ہر عمل کے اثرات ہوتے ہیں۔ نیک عمل کے اثرات نیک ہوتے ہیں اور برے عمل کے اثرات برے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تمسب رول یہ ہے کہ نیکی کا انجام نیک ہوتا ہے اور برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ
جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ

لہٰذا یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ جو انسان نیک کام کرے گا اس کا انجام نیک ہو

گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نیک کام کا انجام برا ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ برے کام کا انجام نیک ہو، یہ ایک خدائی قانون ہے۔

برائی کسے کہتے ہیں؟

برائی کسے کہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا، برائی کہلاتی ہے۔ شریعت کی نظر میں اس کو گناہ اور معصیت کہتے ہیں۔ جب ہم کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کریں یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارکہ کے خلاف کریں، اس کو گناہ کہتے ہیں۔

دو طرح کے گناہ:

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

❶...... تَرْکِ مَأْمُوْر:

ایک کو کہتے ہیں، ترک مأمور یعنی جس کام کا اللہ نے حکم دیا اس کو چھوڑ دینا۔ جیسے نماز کا حکم دیا، روزے کا حکم دیا، غیر محرم سے اپنی نگاہوں کو ہٹانے کا حکم دیا۔ ان کاموں کو چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔

❷...... فِعْلِ مَحْظُوْر:

اور دوسرا ہوتا ہے، فعل محظور۔ یعنی جس کام کو نہ کرنے کا حکم دیا اس کو کر لینا۔ تو نماز کو چھوڑ دینا بھی گناہ ہے، اور غیر محرم کی طرف نظر اٹھا لینا بھی گناہ ہے۔ بعض علما نے کہا کہ اگر ان گناہوں کو مزید دیکھا جائے تو یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہوتا ہے اور کچھ کا تعلق عباد (بندوں) کے حقوق سے ہوتا ہے۔

گناہوں کی تقسیم

علماء نے گناہوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① ذنوبِ شیطانیہ:

پہلا حصہ "ذنوبِ شیطانیہ" ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جن کا تعلق شیطانیت کے ساتھ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

وَهِيَ اَنْ يَتَشَبَّهَ الْعَبْدُ بِالشَّيْطٰنِ فِي الْحَسَدِ وَالْبَغْيِ وَالْكِبْرِ وَالشِّرْكِ وَالْغِشِّ وَالْغِلِّ وَالْخِدَاعِ وَالْمَكْرِ

گناہوں کے کچھ کام ہم حسد کی وجہ سے کرتے ہیں، حسد شیطان نے کیا۔ کچھ تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں، تکبر شیطان نے کیا۔ کچھ عجب کی وجہ سے کرتے ہیں، عجب شیطان نے کیا۔ دھوکے بازی کے کام کرتے ہیں، شیطان سب سے بڑا دھوکے باز ہے، اس کا کام ہی انسانوں کو دھوکا دینا ہے۔ کچھ گناہ مکر کی وجہ سے کرتے ہیں، یہ مکر بھی شیطان کا کام ہے۔ تو وہ گناہ جو اس طرح کے ہوں ان کو "ذنوبِ شیطانیہ" کہتے ہیں، کیونکہ یہ گناہ شیطان کے کاموں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

② ذنوبِ سبعیہ:

دوسرا حصہ "ذنوبِ سبعیہ" کہلاتا ہے جیسے درندے ہوتے ہیں اور ان کے پاس طاقت ہوتی ہے۔ تو بغیر کسی جرم کے دوسرے جانوروں کو مار ڈالتے ہیں۔ ہرن نے شیر کا کیا قصور کیا ہوتا ہے؟ مگر شیر کے قریب آجائے تو اس کے ٹکڑے کر دے گا۔ یہ وہ گناہ ہوتے ہیں جو درندگی کے مشابہ ہیں۔ جیسے ظلم کرنا، کسی کا دل دکھانا۔ انسان بسا اوقات دوسرے کو تکلیف دے کر خوش ہوتا ہے۔ عورتیں آپس میں بات کرتی

ہیں تو کہتی ہیں: میں نے ایسی بات کی کہ جلتی رہی ہو گی۔ تو وہ گناہ جن کا تعلق ظلم کے ساتھ ہے ان کو ذنوبِ سبعیہ کہتے ہیں۔

﴿۳﴾ ذنوبِ بہیمہ:

گناہوں کا تیسرا حصہ "ذنوبِ بہیمہ" کہلاتا ہے۔ جانوروں والے گناہ، جانوروں کے دو ہی کام ہوتے ہیں، کھانا اور اپنی شہوت کو پورا کرنا۔

"قَضَاءُ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ"

بطن، پیٹ کو کہتے ہیں اور فرج، شرم گاہ کو کہتے ہیں تو پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کو پورا کرنا، یہ جانوروں کا کام ہے۔ بیل کو دیکھ لیں، اس کا کیا کام ہے؟ بکرے کا کیا کام ہے؟ اور باقی جانوروں کو دیکھ لیں۔ فقط کھانا اور شہوت کو پورا کرنا۔ یہ تین طرح کے گناہ بنے۔ شیطانیہ، جن کا تعلق مکر کے ساتھ ہے۔ سبعیہ، جن کا تعلق ظلم کے ساتھ ہے۔ اور بہیمہ، جن کا تعلق انسان کی شہوت کے ساتھ ہے۔

منتہائے معاصی:

ان تینوں گناہوں کا آخری آخری نقطہ بھی ہے۔

......ذنوبِ شیطانیہ کا آخری نقطہ یہ ہے کہ انسان کسی کو اللہ کا شریک بنا لے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ گویا ذنوب شیطانیہ کا آخری نقطہ شرک کہلاتا ہے۔

......ذنوب سبعیہ کا آخری درجہ یہ ہے کہ کسی انسان کو قتل کر دیا جائے۔ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

......ذنوب بہیمہ کا آخری نقطہ زنا کا ارتکاب کرنا ہے۔ اس سے زیادہ کسی کا دل نہیں دکھایا جا سکتا کہ کسی گھر کی عورت کی عزت و عصمت کو لوٹا جائے۔ اللہ تعالیٰ

نے ان تینوں گناہوں کو ایک آیت میں جمع فرما دیا ہے۔

طلبا توجہ فرمائیں...... اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ (الفرقان:۶۸)

یہاں

......"لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ"

سے مراد یہ ہے "جو شرک سے بچتے ہیں۔"

...... لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ

سے مراد "قتل" ہے۔

......وَلَا يَزْنُوْنَ

سے مراد "زنا" ہے۔قرآن مجید کی یہ آیت ان تینوں قسم کے گناہوں کے بارے میں تذکرہ کر رہی ہے۔ گنہگار انسان ان تینوں میں سے کسی نا کسی ایک طرح کا گناہ کر رہا ہوتا ہے۔

گناہوں کے دنیوی نقصانات

علما نے گناہوں کے ستر دنیوی نقصانات گنوائے ہیں، کیونکہ مختصر مجلس ہے اس لیے ان میں سے چند نقصانات کا تذکرہ آپ کے سامنے کیا جاتا ہے۔...... امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گے...... یہ گناہوں کے وہ نقصانات ہیں جو انسان کو دنیا ہی میں نظر آئیں گے۔یعنی آخرت میں جو نقصان ہوگا وہ تو ہوگا ہی، لیکن دنیا میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ وہ ردعمل ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جیسے دنیا کا ایک آٹومیٹک نظام ہوتا ہے اسی طرح یہ آٹومیٹک ایک ردعمل ہوتا ہے۔اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر آپ منہ کے اندر لقمہ ڈال لیں تو ڈالنے تک تو آپ کو اختیار ہے، پھر اختیار

ختم ہو جاتا ہے۔اب اگر آپ یہ کہیں کہ میرا جسم اس لقمے کو ہضم نہ کرے یا اس لقمہ کو میری مرضی کے مطابق ہضم کرے تو اب آپ کی مرضی ہرگز نہیں چلے گی۔ وہ ایک آٹومیٹک نظام ہے، جب اس کے اندر لقمہ داخل ہو گیا تو اب اس میں آپ کا اختیار نہیں چل سکتا۔اسی طرح جس انسان نے گناہ کا ارتکاب کیا وہ بھی ایک آٹومیٹک نظام کے اندر داخل ہو گیا۔اب وہ نظام اس کا اثر دکھا کر رہے گا۔

(۱)......فسادِ قلب:

علما نے گناہوں کے نقصانات میں سے پہلا نقصان یہ لکھا:

فَسَادُ الْقَلْبِ وَ ظُلْمَتُهٗ

''دل میں فساد اور ظلمت پیدا ہوتی ہے''

ہر گناہ کے بدلے انسان کے دل کے اوپر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔حدیث پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

((اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ ذَنْبًا نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ))

''جب بھی کوئی ایمان والا بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل کے اوپر سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے''

اور گناہ کیا تو اور نقطہ لگ گیا، اور گناہ کیا تو اور نقطہ لگ گیا، البتہ اگر توبہ کر لے تو وہ نقطہ دھل بھی جاتا ہے۔

(۲)......توفیق چھن جانا:

دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے:

قِلَّةُ التَّوْفِيْقِ

''نیک اعمال کی توفیق چھین لی جاتی ہے''

نماز پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔ قرآن پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔ قرآن یاد کر لیا، مگر گردان کرنے کو دل نہیں کرتا۔ ماں باپ کا حکم ماننا مصیبت نظر آتا ہے۔ صبح کے وقت اٹھنا بھی مصیبت نظر آتا ہے۔ حتی کہ نماز پڑھ لی تو اس کے بعد دعا مانگنا بوجھ نظر آتا ہے۔ دل ہی نہیں کرتا دعا مانگنے کو۔ چنانچہ آپ نوٹ کریں کہ کئی مرتبہ ہماری دعائیں آدھے منٹ کی بھی نہیں ہوتیں۔ مخلوق کے سامنے شکوے کرنے میں گھنٹوں لگاتے ہیں اور اس پروردگار کے سامنے اپنی ایپلیکیشن فارورڈ کرنے میں آدھا منٹ بھی نہیں لگاتے۔ دل ہی نہیں کر رہا ہوتا، مصلے پر بیٹھنا مصیبت نظر آتا ہے۔ یہ دراصل نیک اعمال کی توفیق ہی چھین لی جاتی ہے۔ بلکہ اگر کوئی نیک عمل کے لیے کہے تو یہ بندے کو دشمن نظر آتا ہے۔

میں اسے سمجھوں ہی دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

یعنی جو مجھے سمجھاتا ہے، مجھے وہ سب سے بڑا دشمن نظر آتا ہے، باپ بیٹے کو سمجھاتا ہے: بیٹا! ایسا نہیں کرنا چاہیے، تو سب سے بڑا دشمن باپ ہی نظر آتا ہے۔ باپ سے ایسے ہی نفرت کرتے ہیں جیسے کوئی باپ سے نفرت کرتا ہے...... دل اتنا بگڑ چکا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا دنیا میں اس سے زیادہ خیر خواہ کوئی نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اولاد نیک بنے۔ لیکن اولاد کو سمجھ نہیں آ رہی ہوتی۔

(۳)...... بے برکتی:

تیسرا نقصان کیا ہوتا ہے؟

حِرْمَانُ الْعِلْمِ وَالرِّزْقِ وَ بَرَكَةُ الْعُمْرِ

''علم، رزق اور عمر میں برکت سے محرومی''

علم سے محرومی۔ اول تو پڑھنے کو دل نہیں کرتا اور پڑھتے ہیں تو یاد نہیں ہوتا۔ جی! میں کیا کروں، بار بار یاد کرتا ہوں، یاد ہی نہیں ہوتا، ذہن میں بات بیٹھتی ہی نہیں،

یہ گناہوں کے اثر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ آپ ہمارے اکابرین کی زندگیوں کو دیکھیں۔ ان کی فوٹوگرافک میموری ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر امام بخاری کو ایک محفل میں سو حدیثیں سنائی گئیں۔ سننے کے بعد ان سو حدیثوں کو انہوں نے دوبارہ اسی ترتیب سے سنا دیا۔ صرف ایک مرتبہ سننے کے بعد، دراصل گناہ کی وجہ سے بندے کا ذہن ہی کام نہیں کرتا، اس لیے سکولوں اور مدرسے کے وہ بچے جو بری عادتوں کا شکار ہو جاتے ہیں ان کو پڑھائی کے سوا ہر چیز اچھی لگتی ہے...... پڑھنے کو کوئی نہ کہے۔ اس کو کہتے ہیں علم سے محرومی۔

دوسری بات؟ رزق سے محرومی ہے۔ اللہ رب العزت ان کے رزق سے برکت نکال دیتے ہیں۔ گھر کے سب مرد اور عورتیں کام کرتے ہیں، پھر بھی خرچے پورے نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس بڑے شہروں کے کتنے لوگ آتے ہیں، میاں بھی نوکری کرتا ہے، بیوی بھی کرتی ہے، بیٹا بھی کرتا ہے، بیٹی بھی کرتی ہے لیکن پھر بھی خرچے پورے نہیں ہوتے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ کہ برکت اٹھالی جاتی ہے۔

تیسری بات، عمر سے بھی برکت نکال دی جاتی ہے۔

(۴)......نیکی سے فرار:

چوتھا نقصان یہ ہوتا ہے:

وَحْشَةٌ يَّجِدُهَا الْعَاصِيْ فِيْ قَلْبِهٖ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللّٰهِ

''گناہ گار بندے کے دل میں اس کے اور اللہ کے درمیان وحشت سی ہو جاتی ہے''

یہی وجہ ہے کہ اللہ کی بات سننے کو اس کا دل نہیں کرتا، مسجد آنے کو دل نہیں کرتا، نیکی کی بات سننے سے انسان دور بھاگتا ہے۔ یہ وحشت ہوتی ہے جو گناہوں کی وجہ سے دل کے اندر آتی ہے۔

(۵)......کام ہوتے ہوتے رہ جانا:

پانچواں نقصان:

تَعْسِيْرُ اُمُوْرِهٖ وَعَدَمُ قَضَاءِ حَاجَاتِهٖ

''کاموں میں مشکلات اور کام پورے ہی نہیں ہوتے''

آپ نے خود کئی مرتبہ یہ محسوس کیا ہوگا کہ کام ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں: جی حضرت! میرا تو کام ہوتے ہوتے رہ گیا۔ حضرت بیٹی کا رشتہ دیکھنے تو بڑے لوگ آتے ہیں اور خوش ہو کر جاتے ہیں، لیکن دوبارہ کوئی نہیں آتا۔ یہ جو کام ادھورے رہ جاتے ہیں اس کی بنیادی وجہ انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں جن کا وبال انسان محسوس کر رہا ہوتا۔ اور جو بندہ نیکوکار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو خود سمیٹ دیا کرتے ہیں۔

ایک ہوتا ہے دوڑنے والا گھوڑا اور ایک ہوتا ہے تانگے کا گھوڑا۔ تانگے والا گھوڑا تو آپ کو دس پندرہ ہزار کا مل جائے گا لیکن جو گھوڑا دوڑ کر مقابلہ جیتنے والا ہوتا ہے وہ پانچ لاکھ دس لاکھ کا اور پندرہ لاکھ کا ہوتا ہے......یا اللہ! اتنے مہنگے!...... ہاں! وہ ریکارڈ بنانے والے گھوڑے ہوتے ہیں۔ اب جس بندے کے پاس پندرہ لاکھ والا گھوڑا ہو کیا وہ اسے گدھا گاڑی میں استعمال کرے گا؟ وہ بندہ کہے گا، بھئی! یہ کوئی کرنے والی بات ہے۔ یہ میرا ریکارڈ بنانے والا گھوڑا ہے، میں اسے گدھا گاڑی میں استعمال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو بندہ نیکی کرنے والا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی گدھا گاڑی میں جوتنا پسند ہی نہیں فرماتے۔ فرماتے ہیں: میرا یہ نیک بندہ ہے، میں اسے دنیا کے کاموں میں الجھائے رکھوں، کیوں؟ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو آسان فرما دیتے ہیں۔

آج تو لوگ آ کر کہتے ہیں: حضرت! ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو وہ

سونا بن جاتی تھی، آج حالت یہ ہے کہ سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں تو بھی مٹی بن جاتی ہے۔ بھئی! یہ گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔

(۶)......انجانا سا خوف محسوس ہونا:

چھٹا نقصان:

وَهْنُ قَلْبِهِ وَ بَدَنِهِ

''دل اور بدن کے اندر کمزوری آجاتی ہے''

بندہ پھر ڈرپوک بنا رہتا ہے۔ اسے ہر وقت خوف محسوس ہوتا رہتا ہے، انجانا سا خوف اس کے دل میں ہر وقت مسلط رہتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جو بندہ خدا سے نہیں ڈرتا اسے ہر چیز ڈراتی ہے۔ اندھیرا ہوتا ہے تو ڈر جاتا ہے، ہوا سے دروازہ کھٹک جائے تو ڈر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بدن کے اندر بھی کمزوری ہوتی ہے۔

(۷)......نیکی کی لذت سے محروم ہو جانا:

ساتواں نقصان:

حِرْمَانُ الطَّاعَةِ وَلَذَّتِهَا

''نیکی کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے''

نہ نماز میں لذت، نہ قرآن پاک پڑھنے میں لذت، نہ تہجد پڑھنے میں لذت، یعنی اعمال میں لذت ہی نہیں رہتی۔ یہ گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا، وہ کسی گناہ میں ملوث ہو گیا۔ چونکہ وہ عالم تھا، اس لیے گناہ کرنے کے بعد اس بات سے ڈرتا بھی تھا کہ پتہ نہیں اس گناہ کا میرے اوپر کیا اثر ہوگا؟ مگر وہ یہ بھی دیکھتا اسے جو نعمتیں مل رہی تھیں، وہ اسی طرح مل رہی ہیں۔ ایک دن وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگا: یا اللہ! تو کتنا کریم ہے کہ میں گناہوں پر گناہ کر رہا ہوں اور آپ نے اپنی نعمتوں کو میرے اوپر اسی طرح باقی رکھا ہوا ہے۔ تو

اللہ تعالیٰ نے اس دل میں القاء فرمایا: میرے بندے! میری نعمتیں تیرے اوپر اسی طرح باقی نہیں ہیں تجھے محسوس نہیں ہو رہا، ذرا سوچ کہ جس دن سے تو نے یہ گناہ کرنا شروع کیا ہم نے اس دن سے تہجد کے وقت رونے کی نعمت سے تجھے محروم کر دیا ہے۔ تب اس کو احساس ہوا: اوہو! پہلے تہجد کی دعا میں رونا آتا تھا لیکن اب تو رونا نہیں آتا۔ یہ جو تکبیر اولیٰ کی توفیق نہیں ملتی، تہجد کی توفیق نہیں ملتی، پتہ نہیں یہ کس گناہ کا وبال ہے۔

(۸)......عمر چھوٹی ہو جانا:

آٹھواں نقصان:

قَصْرُ الْعُمْرِ

''عمر چھوٹی ہوتی جاتی ہے''

عمر چھوٹی ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک معنی تو یہ کہ اس کی عمر کی مدت کم کر دی جاتی ہے، کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے:

''زنا کرنے سے عمر گھٹا دی جاتی ہے اور پرہیزگاری کی وجہ سے عمر بڑھا دی جاتی ہے''

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کی عافیت والی عمر گھٹا دی جاتی ہے۔ مثلاً عمر تو تھی پچھتر سال، لیکن پچاس سال میں شوگر بھی، بلڈ پریشر بھی اور فلاں بھی اور فلاں بھی اور گھٹنے کے درد نے ہلنے چلنے کا بھی نہ چھوڑا۔ یوں لوگوں کے لیے مصیبت بنا ہوتا ہے۔ گویا ورکنگ پیریڈ آف لائف (زندگی کے فعال حصے) کو گھٹا دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح سے عمل میں کمی ہوگئی۔

(۹)......اللہ کی نگاہوں سے گر جانا:

نواں نقصان:

سَبَبٌ لِهَوَانِ الْعَبْدِ عَلٰى رَبِّهٖ وَسُقُوْطِهٖ مِنْ عَيْنِهٖ

''گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی نگاہوں سے گر جایا کرتا ہے''

اللہ کے ہاں اس کی وقعت ہی نہیں رہتی۔ جیسے کوئی بے وقت چیز ہوتی ہے۔ اگر کسی جگہ پر روڈ ایکسیڈنٹ ہو جائے وہاں ایک بندہ فوت ہو جائے تو اخبار میں خبر لگتی ہے کہ فلاں روڈ پر ایکسیڈنٹ ہوا اور ایک بندہ فوت ہو گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ بندے کی اہمیت ہے اور اگر کسی جگہ پر ایک لاکھ مچھر مر جائیں یا مکھیاں مر جائیں، تو کیا اخبار میں خبر لگے گی۔ نہیں، اس لیے کہ بندے کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ چنانچہ بندہ جب گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ رب العزت کی نظر میں وہ مکھی اور مچھر کے برابر ہو جاتا ہے، دنیا میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، اللہ کو اس سے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

(۱۰)......گناہوں کا دروازہ کھل جانا:

دسواں نقصان:

اَلتَّعَوُّدُ عَلَی الْمَعَاصِیْ

''گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے''

ایک گناہ دوسرے گناہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ مثال کے طور کے پر کسی سے بری دوستی لگائی۔ اب باپ نے پوچھا: بیٹا! کہاں وقت گزارا؟ آگے سے جھوٹ بول دیا۔ پھر اس ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے دس جھوٹ بولتا ہے حتیٰ کہ لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانی پڑتی ہیں۔ اسی طرح ایک گناہ اتنے گناہوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(۱۱)......ذلت ملنا:

گیارہواں نقصان:

اِنَّ الْمَعْصِيَةَ تُوْرِثُ الذُّلَّ

''گناہوں کی وجہ سے انسان کو ذلت ملتی ہے''

یوں سمجھیں کہ ہر گناہ کے ساتھ ذلت بندھی ہوتی ہے۔ جب ہم گناہ کا ارتکاب کریں گے تو وہ ذلت ہم سے لپٹ جائے گی۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ اس کی عزت کو ختم کر دیتے ہیں اندر سے کوئی عزت نہیں کرتا۔

(۱۲)......فسادِ عقل:

بارہواں نقصان:

اِنَّ الْمَعَاصِیْ تُفْسِدُ الْعَقْلَ

''گناہوں کی وجہ سے عقل کے اندر فساد آجاتا ہے''

یعنی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ٹھیک نہیں رہتی۔ کہتے ہیں: او جی! پردہ تو آنکھوں کا ہوتا ہے، چہرے کا پردہ تو نہیں ہے۔ گویا سوچنے کی صلاحیت چھین لی گئی۔ کہتے ہیں: جی! کیا حکمت ہے کہ فلاں چیز کو منع کر دیا گیا ہے۔ لو جی!......جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کو یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ کے اس حکم میں حکمت کیا ہے؟'' پنجابی کہاوت ہے:

''ذات دی کوڑھ کرلی چھتیراں نال جھپے''

بندہ ذرا اپنی اوقات کو دیکھے وہ حکم خدا کو چیلنج کرتا پھرتا ہے۔

(۱۳)......دل کا اندھا ہو جانا:

تیرہواں نقصان:

اِنَّمَا تَطْبَعُ عَلَى الْقَلْبِ حَتّٰى يَعْمٰى

''گناہوں کی وجہ سے دل پر مہر لگ جاتی ہے حتی کہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔''

(۱۴)...... نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق ہونا:

اور دسواں نقصان تو بڑا عجیب ہے

صَاحِبُ الْمَعَاصِیْ یَدْخُلُ تَحْتَ لَعْنَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

''گناہ کرنے والا نبی علیہ السلام کی لعنت میں داخل ہو جاتا ہے''

کتنے گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے والوں پر اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ تو ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱...... جو مرد، عورت کی طرح بننے کی کوشش کرے اور عورت، مرد کی طرح بننے کی کوشش کرے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی

۲...... جو بندہ غیر محرم عورت کو دیکھے یا کوئی عورت کسی غیر محرم مرد کو اپنا جسم دکھائے، ناظر اور منظور دونوں پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی۔

(۱۵)...... نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے محروم ہو جانا:

پندرہواں نقصان بھی بہت بڑا ہے

حِرْمَانُ الْمَعَاصِیْ مِنْ دَعْوَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ الْمَلٰئِکَۃِ

''جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے نبی علیہ السلام اور ملائکہ کی مبارک دعاؤں سے اس کا حصہ نکال دیا جاتا ہے''

اس کا اس فہرست سے نام ہی نکال دیا جاتا ہے...... اللہ اکبر کبیرا...... یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔ اگر نیک لوگوں کی دعاؤں سے بھی حصہ نکال دیا جائے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے بندے کا نام نکال دیا جائے تو یہ ہمارے لیے کتنے افسوس کی بات ہے۔

(۱۶)......حیا رخصت ہو جانا:

سولہواں نقصان:

ذِهَابُ الْحَيَاءِ

''گناہوں کی وجہ سے حیا چلی جاتی ہے''

یعنی بے حیا بن جاتا ہے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ

''جب تیری حیا فوت ہو جائے پھر تو جو چاہے کر''

یاد رکھیے: مؤمن ہمیشہ حیا والا ہوتا ہے، جس سے حیا کو چھین لیا گیا، سمجھ لو اس سے دین چلا گیا، کیونکہ حیا اور ایمان آپس جڑے ہوتے ہیں۔ حیا جاتا ہے تو اکیلا نہیں جاتا، ایمان کو لے کے جاتا ہے، اس لیے حدیث پاک میں آیا ہے:

''انسان جب زنا کر رہا ہوتا ہے اس وقت ایمان اس سے جدا ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے''

(۱۷)......دل سے عظمتِ الٰہی کا نکل جانا:

سترہواں نقصان:

تَضْعُفُ فِي الْقَلْبِ تَعْظِيْمُ الرَّبِّ جَلَّ جَلَالُهُ

''گناہ کرنے والے بندے کے دل میں اللہ کی عظمت ختم ہو جاتی ہے''

کہتے ہیں: جی! گل ای کوئی نئیں۔ بندہ گناہ کرتا ہے اور پھر اس کو معمولی سمجھتا ہے۔ یہی سمجھتا ہے کہ ایک مکھی تھی، اڑا دی۔ اللہ کے حکم کو توڑنا اس کو کوئی مشکل ہی نظر نہیں آتا۔ نماز چھوڑ دینا معمولی سمجھتا ہے۔

(۱۸)......نسیان کا مریض بن جانا:

اٹھارہواں نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان ''نسیان'' کا مریض بن جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا: جہاں عصیان ہوتا ہے۔ بندہ بھول بھلکو بن جاتا ہے۔کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی۔

(۱۹)......زوالِ نعمت:

انیسواں نقصان:

تَزِيْلُ النِّعَمُ وَ تَحِلُّ النِّعَمُ

''اللہ کی نعمتیں آہستہ آہستہ زائل ہونا شروع ہو جاتی ہیں''

یاد رکھنا! جو پروردگار نعمتوں کو دینا جانتا ہے۔وہ پروردگار نعمتوں کو لینا بھی جانتا ہے۔اللہ ہماری بے قدریوں کی وجہ سے ہم سے نعمتیں واپس نہ لے لے،نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کریں۔جب نعمتیں چھن جاتی ہیں تو دوبارہ نہیں ملا کرتی۔

علم،مال اور عزت ایک جگہ جمع تھے۔جب تینوں جدا ہونے لگے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے: بھئی! جا رہے ہو تو پتہ بتا دو،ڈھونڈنا بھی ہو تو کہاں ڈھونڈیں۔

☆......مال نے کہا: میں بازاروں میں ملتا ہوں۔اگر کوئی مجھے تلاش کرنا چاہے تو وہ بازار میں دیکھے یعنی دکان بنائے،کاروبار کرے،تجارت کرے،میں اسے مل جاؤں گا۔

☆......علم نے کہا: میں مدارس میں ملتا ہوں۔اگر کسی بندے سے میں جدا ہو جاؤں اور وہ مجھے ڈھونڈنا چاہے تو وہ مجھے مدارس میں ملے۔

☆......عزت خاموش تھی۔دونوں نے پوچھا: خاموش کیوں ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟

عزت نے جواب دیا: میں ایک دفعہ جب چلی جاتی ہوں تو پھر دوبارہ نہیں ملا کرتی۔ میں زندگی میں صرف ایک مرتبہ ملا کرتی ہوں۔

(۲۰)......روزی تنگ ہو جانا:

بیسواں نقصان یہ ہوتا ہے:

اَلْمَعِيْشَةُ الضَّنْكُ فِي الدُّنْيَا

''جو گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کی روزی کو تنگ کر دیتے ہیں''

روزی کو تنگ کرنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ کہ روزی ہوتی ہی کم ہے۔سارا دن دکان پر بیٹھ کے آگئے، گاہک ہی نہیں آیا۔کمپنی بنی ہوتی ہے کوئی آرڈر ہی نہیں آتا۔کام ہی کوئی نہیں۔

اس کے علاوہ رزق کی تنگی یہ بھی ہوتی ہے کہ کام تو بن رہا ہے لیکن پیسے پھنسا دیتے ہیں۔ایک کنٹینر ادھر پھنس گیا اور دو کنٹینرز ادھر پھنس گئے۔لینے والے مطالبہ کر رہے ہیں۔کروڑوں پتی ہوتا ہے، لیکن رات کو نیند ہی نہیں آرہی ہوتی۔یوں اللہ تعالیٰ انسان کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔قرآن کا فیصلہ سنیے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

''جو میرے قرآن سے آنکھ چرائے گا میں دنیا میں اس کے لیے معیشت کو تنگ کروں گا اور قیامت کے دن ایسے بندے کو میں اندھا کھڑا کروں گا''

سوچیے! یہ انسان کے لیے کتنا بڑا عذاب ہوگا کہ قیامت کے دن اندھا کھڑا کیا جائے گا۔بھئی! ہم دنیا میں ایسے وقت میں پیدا ہوئے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا دیدار نہیں کر سکے، یہ بھی ایک محرومی ہے۔اب اگر گناہ کیے اور قیامت کے دن اللہ نے اندھا کھڑا کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر قیامت کے دن بھی دیدار نہیں ہوگا۔

دوہری محرومی ہوگی۔ (اس جملے پر حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ آبدیدہ ہو گئے)

امم سابقہ کی ہلاکت کی وجہ:

پہلے جتنی امتیں گزریں، ان کو گناہوں کی وجہ سے اس دنیا میں ہلاک کر دیا گیا۔ بعض کی اللہ رب العزت نے شکلیں مسخ کر دی، بعض کو مختلف عذاب دیے گئے۔ عذاب بھی چار طرح کے...... آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے ذریعے...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا﴾ (العنکبوت:۴۰)

"(ماضی کی امتوں کو) ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے پکڑا، بعض ایسی امتیں تھیں کہ ان پر ہم نے پتھروں کی بارش کر دی، بعض ایسی امتیں تھیں کہ چیخ کی وجہ ان کے کلیجے پھٹ گئے، بعض امتیں ایسی تھیں جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض ایسی امتیں بھی تھیں جن کو ہم نے پانی میں ڈبو کے رکھ دیا۔"

چنانچہ

......نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی کا عذاب آیا

......فرعون پر پانی کا عذاب آیا۔

......قوم عاد پر اللہ نے ہوا کا عذاب بھیجا۔

......قوم ثمود پر چیخ کا عذاب آیا۔

......قوم لوط پر پتھروں کا عذاب آیا، ان کے خطۂ زمین کو فرشتے نے اکھاڑا اور آسمان دنیا تک اوپر لے جا کر اس کو نیچے پھینک دیا۔

......قارون کو بھی زمین میں دھنسا دیا گیا۔

......قوم شعیب کے اوپر بادل آئے، قوم سمجھی کہ بارش ہوگی، لیکن اوپر سے اللہ تعالیٰ نے آگ برسادی۔

قرآن مجید کے بیان کردہ یہ واقعات فقط قصے کہانیاں نہیں ہیں کہ ہم سن کر خاموش ہو جائیں اور سوچیں کہ ہاں! ایسا ہوا ہوگا۔ نہیں، بلکہ پروردگار عالم نے اس لیے بتایا کہ میرا دنیا کا ایک نظام ہے، جیسے میں نے مادی نظام بنا دیا کہ وہ بدل نہیں سکتا، دنیا میں جہاں چلے جاؤ، دنیا میں مادی قانون وہی ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ یہاں چیز کی پراپرٹی اور ہو اور افریقہ میں چیز کی پراپرٹی اور ہو۔ ایک ہی قانون ہے۔ اسی لیے پوری دنیا میں بلڈنگ بنانے والے اس قانون کو سامنے رکھ کر بلڈنگ ڈیزائن کرتے ہیں اور سومنزلہ بلڈنگ بن جاتی ہے۔ تو جیسے اللہ رب العزت کے مادی قوانین ہیں ویسے ہی اللہ رب العزت کے روحانی قوانین ہیں۔ جو ان قوموں کے لیے تھے ہمارے لیے بھی رہی ہیں۔ چنانچہ ہمیں بھی ان کے واقعات سنا کر بتایا گیا کہ دیکھو! انہوں نے گناہوں کا یہ راستہ اپنایا اور ان کا یہ انجام ہوا، اگر تم بھی اس راستے پر چلو گے تو پھر تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔

چالیس سال قبل ہونے والے گناہ کا وبال:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزہد'' میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے۔ ایک دفعہ وہ مقروض ہو گئے۔ فرمانے لگے:

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ هٰذَا الْغَمَّ بِذَنْبٍ اَصَبْتُهٗ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً

''میں جانتا ہوں کہ میرے اوپر یہ جو مصیبت آئی ہے، یہ ایک گناہ کی وجہ سے ہے جو میں نے چالیس سال پہلے کیا تھا''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ﴾ (الشوریٰ:۳۰)

''تمہیں جو مصیبتیں بھی ملتی ہیں، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہیں''

ایک صاحب نے نامحرم عورت کو ہوس بھری نظروں سے دیکھا تو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا:

''تجھے اس کا وبال پہنچ کر رہے گا، اگرچہ کچھ وقت کے بعد پہنچے''

حفظِ قرآن سے محرومی:

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک حافظِ قرآن تھا۔ اس نے کسی غیر محرم عورت پر غلط نظر ڈالی، اس ایک غلط نظر کا یہ اثر ہوا کہ اس کو چالیس سال کے بعد پورے کا پورا قرآن مجید بھول گیا۔

اعمال کا سائن بورڈ:

سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''انسان چھپ کر گناہ کرتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت اس کے چہرے پر ذلت کو ظاہر کر دیتا ہے۔''

انسان جب تالوں کے اندر چھپ کر گناہ کرے گا تو جب وہ نکلے گا تو اللہ رب العزت پھر بھی اس کے چہرے پر ذلت کو ظاہر کر دیں گے۔ پہلی امتوں میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو صبح کے وقت اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس بندے نے فلاں گناہ کیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کی برکت ہے کہ اللہ رب العزت نے یہ پردہ تو رکھ لیا، مگر چہرے کو سائن بورڈ بنا دیا۔ اگر کوئی ''آنکھ والا'' ہو تو اسے چہرے کی نحوست اسی وقت نظر آ جاتی ہے۔ اسی طرح جو انسان چھپ کر عبادت کرے گا، اللہ اس عبادت کا نور اس بندے کے چہرے پر سجا دے گا۔

نیکی کرو......نیکی پاؤ:

ابوسلیمان درانی کا قول ہے:

مَنْ صَفّٰی صُفِّیَ لَهٗ وَمَنْ كَدَّرَ كُدِّرَ عَلَيْهِ

''جو نیکی کے کام کرے گا اللہ اس کے ساتھ بھی نیک برتاؤ فرمائیں گے اور جو برائی کا کام کرے گا اس کے ساتھ بھی وہی برائی کا معاملہ کیا جائے گا۔''

وَمَنْ اَحْسَنَ فِیْ نَهَارِهٖ كُوْفِیَ فِیْ لَیْلِهٖ

جو اپنا دن اچھا گزارے گا اللہ رب العزت اس کو رات کی عبادت کی توفیق عطا فرمادیں گے''

اثر ماتحتوں پر:

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں۔وہ فرمایا کرتے تھے:

''جب بھی مجھ سے کوئی گناہ ہو تو میں نے اپنے اس گناہ کا اثر یا تو اپنی بیوی میں دیکھا جو اس نے میری نافرمانی کی، یا اپنے ملازموں کے اندر دیکھا کہ انہوں نے میری حکم عدولی کی، یا اپنی سواری کے اندر دیکھا کہ میری سواری نے میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا''

یعنی قانون یہ بنا کہ جب ہم خدا کا حکم نہیں مانیں گے تو ہمارے ماتحت ہمارا حکم نہیں مانیں گے۔آج شکوے کتنے عام ہیں؟ بیوی نہیں مانتی، اولاد نہیں مانتی۔ فیکٹریوں والے کہتے ہیں: مزدور بات نہیں مانتے۔جس کے ہم ماتحت تھے، ہم نے اس پروردگار کا حکم ماننے میں کوتاہی کی، جو ہمارے ماتحت ہیں ان میں اس کا ردعمل ظاہر ہو جاتا ہے۔اور ایک اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں ان کی خدمت کے لیے لوگ زندگیاں وقف کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔وہ جوتیاں اٹھا کر آنکھوں پہ

لگانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ بلکہ ترستے پھر رہے ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟ وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں اور اللہ نے مخلوق کو ان کی خدمت میں لگایا ہوتا ہے۔

ایک بادشاہ کی حسرت:

ہارون الرشید کھڑکی سے مسجد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں داخل ہونے کے لیے آئے تو دو طالب علم پیچھے پیچھے تھے کہ حضرت کے جوتے اٹھائیں۔ جب انہوں جوتے اٹھائے اور مسجد میں داخل ہوئے (عجیب بات یہ کہ ایک طالب علم کا ہاتھ ایک جوتے پر اور دوسرے طالب علم کا ہاتھ دوسرے جوتے پر آیا۔ ایک نے بھی ایک جوتا اٹھالیا اور دوسرے نے بھی ایک جوتا اٹھالیا۔ اب جوتے اندر لے کر کیسے جائیں؟ طلباء تھے سمجھدار تھے چنانچہ ایک نے رومال بچھایا اور ایک نے بھی جوتا اس میں رکھا اور دوسرے نے بھی، ایک نے ادھر سے رومال پکڑ لیا اور دوسرے نے ادھر سے رومال پکڑ لیا۔ وہ حضرت کے جوتے اس طرح لے کر مسجد میں گئے کہ دونوں کو حضرت کے جوتے اٹھانے کی سعادت مل گئی۔ ہارون الرشید نے یہ دیکھا تو سرد آہ بھری اور کہنے لگا: ''یوں تو لوگ ہمیں بادشاہ سمجھتے ہیں، ہمارے جوتے اٹھانے کے لیے بھلا کون جھگڑتا ہے''

جو نیکی کا کام کرنے میں لگے ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ دنیا میں یوں عزتیں دیتے ہیں۔ اور جو گناہوں کے راستے کو اختیار کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسکی عزت لوگوں کے دلوں سے ہی نکال دیتے ہیں۔

عبرت انگیز واقعہ:

ایک جاگیر دار تھا۔ اللہ نے اس کو بڑی زرعی زمین دی تھی۔ حتیٰ کہ ٹرین کے تین

اسٹیشن اسکی زمین میں بنے ہوئے تھے۔ یعنی ٹرین کا پہلا اسٹیشن بھی اس کی زمین میں، پھر ٹرین چلتی تو دوسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین میں اور پھر تیسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین میں آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دوستوں کے ساتھ شہر کے ایک بڑے چوک میں کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ ان میں سے کسی نے کہا: آج کل ہاتھ بڑا تنگ ہے، بڑی پریشانی ہے۔ تو وہ بڑے عجب اور تکبر میں بات کرنے لگا: کیا تم ہر وقت روتے ہی رہتے ہو کہ آئے گا کہاں سے، اور مجھے دیکھو کہ میں پریشان رہتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ؟ میری تو چالیس نسلوں تک کافی ہوگا اس نے تکبر کا یہ بڑا بول بولا۔ اللہ کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ وہ اگلے چھ مہینوں میں کسی بیماری میں مبتلا ہوا اور دنیا سے چلا گیا۔

اس کا ایک بیٹا تھا، اس کی عمر سترہ سال تھی۔ وہ ساری جائیداد کا مالک بن گیا۔ بنک اکاونٹ بھی ہے، زمینیں بھی ہیں، کاریں بھی ہیں بہاریں بھی ہیں، روٹی بھی ہے، بوٹی بھی ہے۔ وہ تو سترہ سال کا نوجوان تھا۔ آپے سے باہر ہو گیا۔ ایسے نوجوان لڑکوں کے بدکار قسم کے دوست آسانی سے بن جاتے ہیں اور وہ اس کو غلط راہیں دکھاتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے اس کو بری راہوں میں ڈال دیا...... وہ شراب اور شباب کے راستے پر چلنے لگ گیا...... وہ نوجوان زنا کا مرتکب ہونے لگ گیا۔ اب اس کو روز نئے سے نئے مہمان مطلوب تھے۔ کسی کو لاکھ دے رہا ہے تو کسی کو دو لاکھ۔ اس نے پانی کی طرح پیسہ بہانا شروع کر دیا۔ جب کچھ سال اس طرح گزرے تو کسی نے اس کو باہر (بیرون ملک) کا راستہ دکھا دیا۔ چلو فلاں جگہ...... اس کو باہر کے کلبوں میں جانے کا شوق پڑ گیا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بنک اکاؤنٹ خالی ہو گیا۔ اب وہ واپس آتا زمین کے کچھ مربعے بیچتا اور پھر باہر کا چکر لگا کے آتا۔ پھر پیسے ختم ہو جاتے تو آتا اور زمین کا ایک اور ٹکڑا بیچتا اور پھر نائٹ کلبوں میں وقت گزارتا۔

جب اتنی برائی کا مرتکب ہوا تو اس نے اپنی صحت بھی برباد کر لی اور اس کو بری

بیماریاں بھی لگ گئیں، جو فحاشی کا کام کرنے والوں کو عام طور پر لگ جاتی ہیں۔ حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کو اپنا مکان بھی بیچنا پڑ گیا پھر اس نوجوان کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ جس چوک میں اس کے باپ نے کھڑے ہو کر کہا تھا: میں پریشان ہوتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ، میری تو چالیس نسلوں کو پرواہ نہیں، اسی چوک میں اس نوجوان کو کھڑے ہو کر بھیک مانگنی پڑی۔

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ میں اگر نعمتوں کو دینا جانتا ہوں تو میں نعمتوں کو لینا بھی جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی ذلتوں سے بھی محفوظ فرمائے اور آخرت کی ذلت سے بھی محفوظ فرمائے:

(آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

﴿ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ﴾

(فاطر:۱۸)

تین انمول باتیں

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

نبی ﷺ کی ایک حدیث پاک ہے۔ بالکل مختصر سی ہے مگر ہمارے لیے اس میں سبق اور نصیحت ہے۔ اس میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئیں:

۱) جو آدمی مال میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرماتا ہے۔

۲) جو بندہ اللہ کیلیے کسی دوسرے کو معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

۳) جو بندہ اپنے اندر تواضع پیدا کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو بلندی عطا فرما دیتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تین انمول باتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○﴾ (النّٰزعٰت:۴۰)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ
﴿وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ (فاطر:۱۸)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

عروجِ انسانی کا راز:

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ یہ اپنے آپ پر محنت کرے تو یہ بنتا اور سنورتا ہے حتیٰ کہ یہ اتنی پرواز کرتا ہے کہ یہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور اگر اپنے آپ سے غافل ہو تو یہ بگڑتا ہے حتیٰ کہ جانوروں سے بھی پرے پار ہو جاتا ہے۔

اعمال لکھنے والے فرشتے:

دنیا میں ہر انسان دو نگرانوں کے تحت زندگی گزار رہا ہے۔ ایک دائیں کندھے پر بیٹھا ہوا ہے دوسرا بائیں کندھے پر بیٹھا ہوا ہے۔ دائیں کندھے والا فرشتہ اس کے نیک اعمال لکھتا ہے اور بائیں کندھے والا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے۔ کوئی چھوٹا یا

بڑا عمل ایسا نہیں جس کا ان کو پتہ نہ ہو (خبر نہ ہو)۔ اس کا ہر عمل محفوظ ہو رہا ہے، اس کی فائل تیار ہو رہی ہے، جو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے ہاں پیش کی جائے گی۔

ان دونوں فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف والے فرشتے کو امیر بنا دیا اور دوسرے کو مامور بنا دیا۔ چنانچہ جب انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو نیکی والا فرشتہ چونکہ افسر ہے اس لیے وہ فوراً نیکی لکھ لیتا ہے۔ لیکن انسان جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو برائی والا فرشتہ اسے لکھ نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے تب بھی برائی والا فرشتہ نیکی والے فرشتے سے پہلے پوچھتا ہے کہ کیا اب میں اس کو لکھ لوں؟ نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ تم تھوڑی دیر صبر کر لو، ممکن ہے یہ بندہ سچی توبہ کر لے اور اس کو لکھنے کا موقع ہی نہ آئے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے انسان گناہ کرتا ہے تو نیکی والا فرشتہ اس کو ایک پہر تک روکے رکھتا ہے۔ اس کو گناہ لکھنے ہی نہیں دیتا کہ شاید اللہ کا یہ بندہ توبہ کر لے اور گناہ لکھنا ہی نہ پڑے۔ لیکن جب ایک پہر گزر گیا اس نے توبہ نہ کی، نادم اور شرمندہ نہ ہوا تو اب وہ فرشتہ گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

تو دو فرشتے ایک نیکی لکھنے والا اور ایک گناہ لکھنے والا، یہ دونوں انسان کی فائل تیار کر رہے ہیں۔ دن رات انسان جو بھی اعمال کرتا ہے وہ سب کے سب لکھے جاتے ہیں اور پورے پورے لکھے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر انسان اپنے نامہ اعمال دیکھے گا تو پچھتائے گا۔ قرآن میں ہے کہ جب نامہ اعمال پیش کیا جائے گا۔

﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ فَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۹)

”اور جب نامہ اعمال پیش کیا جائے گا تو مجرم اس نامہ اعمال کو دیکھ کر ڈرے گا اور کہے گا: اے ہماری بدبختی یہ کیسی کتاب ہے؟ کوئی چھوٹا عمل یا بڑا عمل ایسا

نہیں جو اس میں درج نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو عمل کیا ہوگا اس کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔"

خوش کن نامۂ اعمال:

اگر انسان نے دنیا میں نیکیاں کمائی ہوں گی تو اسے نیکیاں سامنے نظر آئیں گی۔ چنانچہ وہ اپنے اور دوستوں کو بلائے گا اور کہے گا۔

﴿هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ الرَّاضِيَةٍ﴾ (الحاقۃ: ۱۹۔۲۱)

"آؤ تم بھی اپنے نامۂ اعمال میں دیکھو۔ مجھے اس وقت بھی گمان تھا کہ میں نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس لیے میں نیک اعمال کرتا تھا۔ میرے نامۂ اعمال میں دیکھو کتنی نیکیاں لکھ دی گئیں۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ خوشیاں پانے والا انسان بن جائے گا۔"

پریشان کن نامۂ اعمال:

اور جس انسان نے غفلت کی زندگی گزاری ہوگی۔ گناہوں میں زندگی گزاری ہوگی وہ کہے گا:

﴿يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ﴾ (الحاقۃ: ۲۵۔۲۸)

اے کاش! مجھے یہ نامۂ اعمال نہ دیا جاتا، میرا یہ رزلٹ آؤٹ ہی نہ کیا جاتا۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں تھا، یاد ہی نہیں تھا کہ میرا حساب ہونا ہے۔ میں تو دنیا میں غفلت کی زندگی گزارتا رہا اور آج میرا کیا کرایا سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میری دنیا کی شاہی بھی چلی گئی، میرے دنیا کے آرام بھی چلے گئے، میں دنیا میں ایسی زندگی

گزارتا تھا جیسے مرنا ہی نہیں۔ مجھے تو موت یاد ہی نہیں تھی، میں تو اپنی خواہشات کے پورا کرنے میں لگا ہوا تھا، مجھے کیا پتہ کہ موت کا فرشتہ مجھے مار گرائے گا۔ نیک اور برے اعمال لکھنے کیلیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک نظام بنا دیا۔ جو انسان کی فائل تیار کر رہے ہیں مگر توبہ کے دروازے کو کھلا رکھا کہ اپنی موت سے پہلے پہلے اگر انسان گناہوں سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور نیکی کی کوشش کرے تاکہ اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت پا جائے۔

ایک قیمتی حدیث:

نبی علیہ السلام کی ایک حدیث پاک ہے۔ بالکل مختصر سی ہے مگر ہمارے لیے اس میں سبق اور نصیحت ہے۔ اس میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئیں:

❶ ...... جو آدمی مال میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرماتا ہے۔

❷ ...... جو بندہ اللہ کیلیے کسی دوسرے کو معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

❸ ...... جو بندہ اپنے اندر تواضع پیدا کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو بلندی عطا فرما دیتا ہے۔

① صدقہ کرنے کی فضیلت

ارشاد فرمایا:

((مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ))

”جو انسان اپنے مال میں صدقہ دیتا ہے اس سے اس کا مال کبھی بھی نہیں گھٹتا“

آج عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن کے پاس مال ہو زکوۃ میں سستی کرتے ہیں۔ زکوۃ پوری ادا نہیں کرتے نفلی پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ جس کے فرض رہتے

ہوں اس کو نفل پڑھنے کی اجازت نہیں کہ اس کو فرض پہلے پڑھنے چاہئیں۔تو ایسے آدمی کو چاہیے کہ جیسے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرے زکوٰۃ کی نیت سے خرچ کرے۔

کچھ لوگ تو مالدار ہوتے ہیں لیکن کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، ان دونوں میں فرق ہے۔مالدار تو وہ ہوا جس کو اللہ نے بہت کچھ دیا اور وہ آخرت کے لیے خرچ کررہا ہے، آخرت کا ذخیرہ بنا رہا ہے، تو وہ انسان صحیح معنوں میں مالدار ہے۔اور مال کا چوکیدار وہ ہے جس نے بنک میں بیلنس بنا لیا یا جس عورت نے بہت سارے زیورات بنا لیے مگر سنبھال کے رکھ دیے۔اب پہننے کا تو موقع نہیں ملتا اور فقط چوکیداری کرتی رہتی ہے۔زکوٰۃ سے غافل ہوئی تو گناہ اپنے ذمے اور مرنے کے بعد یہ سونا کسی اور کا ہو گیا۔تو جو بندہ مال کو شریعت کے مطابق خرچ نہ کرے تو وہ مالدار نہیں مال کا چوکیدار ہوتا ہے۔

سائل کو انکار کرنے کی ممانعت:

شریعت نے مال کی محبت سے انسان کو منع کیا۔جس آدمی کے دل میں مال کی محبت زیادہ ہوگی اس کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بڑا مشکل ہوگا۔کئی دوستوں کو دیکھا وہ اپنی طرف سے کچھ دینا نہیں چاہتے۔اور مانگنے والا کوئی آیا تو کہتے ہیں کہ مانگنے والے عادی ہوتے ہیں، پیشہ ور ہوتے ہیں۔ٹھیک ہے دینے والے کو ہمیشہ چاہیے کہ پہلے دیکھ لے، تاہم کوشش یہ کی جائے کہ جب بھی کوئی سائل آئے۔

﴿وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (الضحیٰ:۱۰)

''تم سائل کو انکار نہ کرنا''

صدقہ کس کو دیں؟

ہمارے اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کے سامنے حرم شریف میں بیٹھے تھے، ایک آدمی آیا اور آ کر کہنے لگا: حضرت! یہاں بہت سے مانگنے والے ہوتے ہیں، کیا پتہ کون مستحق ہے؟ اور کون مستحق نہیں ہے؟ کس کو دیں اور کس کو نہ دیں؟ تو حضرت نے فرمایا: یہ بتاؤ اللہ رب العزت کے تمہارے اوپر کتنے انعامات ہیں؟ کتنی نعمتیں ہیں کیا تم ان سب نعمتوں کے مستحق تھے؟ کہنے لگا: نہیں۔ حضرت! میری اوقات تو اتنی نہیں تھی، اللہ نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر دیا۔ فرمایا: جب اللہ نے تمہیں تمہاری اوقات سے بڑھ کر دیا۔ ناپ تول کے بغیر تمہیں عطا کر دیا تو تم سے اگر کوئی مانگنے والا آئے تو تم بھی اسے دے دیا کرو۔

عام طور پر اس وقت دل میں یہ بات رکھنی چاہیے کہ جب بھی کوئی آ کر مانگے تو اسے دے دو اور دل میں یہ سوچو کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے دینے والا بنایا ہے لینے والا نہیں بنایا۔ وہ عبرت کا وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی تمہارے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو، دامن پھیلا کے کھڑا ہو اس وقت اللہ رب العزت کی نعمتوں کو دیکھا کریں۔ اس وقت اپنے دل میں اللہ رب العزت کے احسانات کو یاد کیا کریں کہ جس نے تمہیں اتنا رزق دیا کہ آج کوئی دوسرا تمہارے دروازے پہ مانگنے کے لیے آیا۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی تو کر سکتے تھے کہ اس فقیر کو دے دیتے اور تمہیں اس کے دروازے پر سائل بنا کر کھڑا کر دیتے تو پھر کیا ہوتا؟ اس لیے جب بھی کوئی سائل مانگنے آئے حتی الوسع کوشش یہ ہو کہ اس کو دے دیا جائے۔ بھلے تھوڑا دیں یا زیادہ دیں، یہ اور بات ہے۔ اور ہمیشہ اپنے مال میں سے کچھ نہ کچھ صدقہ ضرور دینا چاہیے۔

صدقے کا آٹا:

ایک اچھا وقت تھا کہ عورتیں جب گھر میں آٹا گوندھتی تھیں تو آٹا گوندھتے ہوئے ایک مٹھی آٹا نکال کے باہر رکھ لیتی تھیں۔ یہ صدقے کا ہوتا تھا۔ چنانچہ کوئی فقیرنی آئی

تو اس کو دے دیا یا کسی مدرسے میں بھجوا دیا۔ تو اس وقت عورتیں کچھ نا کچھ مقدار اپنے مال میں سے صدقہ کیا کرتی تھیں۔ اب وقت کے ساتھ ساتھ یہ عادتیں بہت کم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث پاک میں قسم اٹھا کر فرمایا: کہ جو انسان اپنے رزق میں سے اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرما دیتا ہے۔

ہتھ دا دِتا کم آندا اے:

آج اکثر عورتوں کو دیکھا کہ آ کر کہیں گی: پیر صاحب! دعا کریں، کاروبار میں برکت نہیں۔ کوئی کہے گی مال میں برکت نہیں۔ کوئی کہے گی کہ گھر کے سب لوگ کماتے ہیں مگر خرچے پورے نہیں ہوتے۔ اگر آپ غور کریں تو وہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔

جب وہ اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات کو بڑھا دیتے ہیں۔ جتنا کماتے ہیں ضرورتیں اس سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ تو انسان کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ میرے پاس کم ہے یا زیادہ ہے، کچھ نہ کچھ اللہ رب العزت کے راستے میں ضرور خرچ کرتے رہنا چاہیے۔ پنجابی میں کہتے ہیں۔

''ہتھ دا دتا کم آندا اے''۔ انسان جو کچھ اپنے ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے دنیا میں بھی اس کی برکتیں ہوں گی اور آخرت میں بھی اس کی برکتیں ہوں گی۔ بلکہ اپنے چھوٹے بچوں کو یہ عادت سکھانی چاہیے کہ اگر کوئی مانگنے والا آئے تو خود دینے کی بجائے اپنے بچے کو دیں کہ بیٹا ایک روپیہ لے لو اور فلاں کو جا کر دے دو۔ بیٹی یہ روپیہ لے لو اور فلاں فقیرنی کو دے دو۔ تاکہ ان چھوٹے بچوں کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھے کہ ہم نے اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا ہے۔

صدقہ دینا کب مشکل ہوتا ہے:

صدقہ دینا مشکل اس وقت ہوتا ہے جب دل میں مال کی محبت ہو۔ پھر انسان اپنے مال پہ سانپ بن کے بیٹھتا ہے۔ اور جب دل میں مال کی محبت نہ ہو تو پھر مال اور صدقات دینے آسان ہیں۔

موت سے ڈر لگنے کا علاج:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے موت سے ڈر لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے۔ کہنے لگا جی ہاں ہے۔ فرمایا: اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ انہوں نے صدقہ کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے حضرت اب موت سے ڈر ختم ہو گیا۔ اب تو میرا مرنے کو جی چاہتا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسان کا دل وہاں لگتا ہے جہاں اس کا مال اور ذخیرہ ہوتا ہے، سرمایا ہوتا ہے۔ پہلے تمہارا سرمایہ دنیا میں تھا تب تمہارا دنیا میں دل لگتا تھا، اب تم نے اپنا سرمایہ آخرت میں بھیج دیا اب تمہارا آگے جانے کو جی چاہتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

آج جھگڑوں میں سے اکثر جھگڑے اسی مال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ بلکہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک آدمی فوت ہوا اس کے دو بیٹوں میں جائیداد تقسیم ہوئی بہت ساری زمین تھی۔ جائیداد کی تقسیم میں ایک درخت ایسا تھا جو دونوں زمینوں کی درمیان والی لائن پر تھا۔ ایک نے کہا: یہ میرا درخت ہے، دوسرے نے کہا: یہ میرا ہے۔ دونوں بھائی آپس میں جھگڑ پڑے، مقدمے شروع ہو گئے۔ اس درخت کے مقدمے کے اوپر

دونوں نے وکیل بنا لیے خرچ اتنا ہوا کہ دونوں کو اپنی اپنی زمینیں بیچنی پڑ گئیں۔ وہ بیچتے رہے مقدمے لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ دونوں بھائیوں کی زمینیں بک گئی اور عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ جو درخت ہے اسے کاٹ کر آدھا ایک کو دے دیا جائے اور آدھا دوسرے کو دے دیا جائے۔

بسا اوقات انسان مال کی محبت میں اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اب اس کو اس کے سوا کوئی اور بات نہیں سوجھتی۔ تو حدیث پاک میں فرمایا گیا: اگر انسان اپنے مال میں صدقہ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کم نہیں کریں گے۔ ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گیا مگر صدقہ دینے سے اللہ رب العزت کی طرف سے مال میں برکتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

نفع کی تجارت:

ایک روایت میں آیا ہے: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا۔ وہ بہت زیادہ غریب تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت آپ کوہ طور پر جاتے ہیں وہاں جا کر میرے لیے دعا کریں کہ میری زندگی کا جتنا بھی رزق ہے وہ اللہ ایک ہی وقت میں مجھے دے دے۔ مقصد یہ تھا کہ میں چند دن تو آسانی اور سہولت کے گزار لوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرما دی اس آدمی کو پورا رزق ملا۔ ایک بوری گندم کی کچھ جانور کچھ اور ایسی چیزیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ ایک سال گزرا دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں فلاں آدمی کس حال میں ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام اس کا حال پوچھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ اس کا تو بڑا مکان ہے کئی بکریوں کے ریوڑ ہیں، اس کا دستر خوان بھی بڑا وسیع ہے، بڑے اس کے پاس مہمان ہیں، دوست

احباب ہیں، خود بھی کھا رہا ہے اوروں کو بھی کھلا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام بڑے حیران ہوئے۔ کوہ طور پر جا کر پوچھا: رب کریم اس کو جتنا رزق ملا وہ تو بہت تھوڑا تھا۔ آج اس کے پاس بہت زیادہ ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام اگر وہ صرف اپنی ذات پر خرچ کرتا تو اس کا رزق اتنا ہی تھا جتنا اس کو دیا گیا تھا۔ مگر اس نے میرے ساتھ نفع کی تجارت کی۔ اس نے اپنے دسترخوان پر مہمانوں کو کھلانا شروع کر دیا اور جو میرے راستے میں خرچ کرتا ہے میں اس کو کم از کم سات سو گنا واپس کیا کرتا ہوں۔ لہٰذا جتنا وہ میرے راستے میں خرچ کرتا رہا اس کو سات سو گنا کر کے واپس کرتا رہا۔ آج اس کے رزق میں اتنی برکت پیدا ہو گئی، صدقہ دیتے ہوئے کبھی دل میں یہ غم نہ کریں کہ یہ کم ہو جائے گا۔ بلکہ اس میں برکت ہو گی۔

مہمان کو کھانا کھلانے کا ثواب:

ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا کہ عورت اگر گھر میں سالن بنانے لگے تو ہنڈیا میں پانی ڈالتے ہوئے دو تین گھونٹ اس میں پانی زیادہ ڈال دے گی تو ممکن ہے کوئی مہمان آ جائے، کوئی مانگنے والا آ جائے، کوئی بھوکا آ جائے ہم اس کو یہ سالن دے دیں گے۔ پڑوسی کو دے دیں گے تو اس دو تین گھونٹ پانی ڈالنے پر اللہ تعالیٰ اس کو مہمان کو کھانا کھلانے کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ رب کریم کی طرف سے تو بڑی رحمتیں ہیں:

عمر میں برکت کا عجیب واقعہ:

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ سفر کرنا تھا اور ان کو ماں نے نصیحت کی تھی: جب تم سفر میں نکلا کرو تو اللہ کے راستے میں کچھ نہ کچھ خرچ کیا کرو۔

چنانچہ وہ کچھ بیٹھے کھا رہے تھے ایک سائل آیا۔ انہوں نے اپنی روٹی سائل کو دے دی۔ جب گھر سے نکلے تو راستے میں دیکھا کہ ایک سانپ ہے اس کے اوپر ان کا پاؤں پڑا اور بڑے پریشان ہوئے کہ کہیں ڈس نہ لے۔ جب پیچھے ہٹے تو کیا دیکھتے ہیں؟ کہ اس سانپ کے منہ میں کوئی چیز ہے جس نے اس کے منہ کو بند کیا ہوا ہے۔ یہ بڑے حیران ہوئے کہ اس کے منہ میں کیا چیز پھنسی ہوئی ہے؟ جب اس کو مارا تو دیکھا وہ روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس کے منہ میں پھنسا ہوا تھا۔

پھر کسی بزرگ نے بتایا کہ تم نے جو آدمی روٹی کسی فقیر کو دے دی۔ تمہاری موت کا وقت تو آج لکھا تھا لیکن اللہ نے تمہارے اس صدقے کی وجہ سے تمہاری عمر میں برکت دے دی اور وہی روٹی کا ٹکڑا گویا اس سانپ کے منہ میں جا کر پھنس گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان اللہ کے راستے میں جو خرچ کرتا ہے اس کی بلائیں اور مصیبتیں اس کے بدلے میں دور ہوتی ہیں۔

ایک روپیہ خرچ کرنے پر اجر:

عورتوں کو چاہیے کہ گھروں میں اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اللہ کے راستے میں جو بھی خرچ کر سکیں اگر کسی کی حیثیت ایک روپے کی ہے تو وہ اللہ کے ہاں اسی طرح قبول ہوگا جس طرح کسی امیر آدمی کا ایک لاکھ روپیہ قبول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کو دیکھتے ہیں، نیت کو دیکھتے ہیں، اخلاص کو دیکھتے ہیں مقدار کو نہیں دیکھتے۔

حسنِ نیت پر نقد اجر:

بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا۔ اس کے وقت میں قحط پڑ گیا۔ لوگ پریشان ہیں حیران ہیں اب کیا بنے گا؟ حتیٰ کہ بھوکے مرنے لگ گئے، برا حال ہو گیا۔ ایک آدمی

تھا، وہ اپنے گھر سے نکلا۔ شہر سے دور ویرانے میں اس نے سفر کرنا تھا۔ وہاں اس نے ایک پہاڑ دیکھا، اس کے دل میں صرف خیال آیا: کاش میرے پاس اتنا آٹا ہوتا میں شہر والوں میں تقسیم کر دیتا کہ سب کھانا کھالیں بھوکے نہ رہیں۔ جیسے ہی اس نے ارادہ کیا اللہ رب العزت نے فوراً ایک فرشتے کو حکم دیا کہ میرے بندے نے اتنے خلوص کے ساتھ یہ نیت کی کہ اس کے نامۂ اعمال میں اس پہاڑ کے برابر گندم صدقہ کرنے کا ثواب لکھ دیا جائے۔

اللہ رب العزت بندے کی نیت کے اوپر فوراً اجر فرما دیتے ہیں۔

۲ معاف کرنے کی فضیلت

اسی حدیث مبارکہ میں دوسری بات ارشاد فرمائی گئی:

((وَمَا كَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا))

''جو بندہ دوسروں کو معاف کر دیتا ہے اس معافی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں''

جھگڑوں کی بنیادی وجہ:

عام طور پر دیکھا گیا اگر کسی کے ساتھ جھگڑا ہو تو آدمی کا دل چاہتا ہے میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں۔ ایک کے بدلے دو باتیں کروں، ایک گالی کے بدلے کئی گالیاں دوں، مگر حدیث پاک میں فرمایا گیا: جو بندہ دوسروں کو معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ یہ عفو درگزر بڑی نعمت ہے۔

اگر آپ غور کریں عورتوں کے جو گھروں کے جھگڑے ہیں، ساس بہو کا جھگڑا، نند کے ساتھ جھگڑا، پڑوسن کے ساتھ جھگڑا، آپس میں بہنوں کا جھگڑا، بھائیوں کا جھگڑا،

تمام جھگڑوں کی بنیادی وجہ ایک دوسرے کے ساتھ غصہ اور دشمنی ہوتی ہے۔ اگر ایک نے کوئی غلطی کر بھی لی تو دوسرا اس کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مبارکہ تھی کہ دوسروں کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دیتے تھے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کی مثالیں:

⊙......حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار لٹکا دی تھی۔ ایک کافر ادھر کو آ نکلا کافر نے دیکھا کہ اچھا موقع ہے۔ کیوں نہ میں تلوار اٹھالوں اور ان کو شہید کر دوں۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اس نے تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جگا دیا۔ جیسے ہی نبی علیہ السلام جاگے تو وہ کافر کہنے لگا۔

مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي يَا مُحَمَّدُ

''اے محمد آپ کو کون ہے؟ میرے ہاتھ سے بچانے والا''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان میں وہ تاثیر تھی کہ اس کافر کے دل پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کانپنے لگا، تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ تلوار جو اس کے ہاتھ سے گری تھی آگے بڑھ کر اٹھالی اور فرمایا:

((مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ))

''اب تم بتاؤ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟''

وہ منت سماجت کرنے لگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑے اچھے اخلاق والے ہیں آپ دوسروں کو معاف کر دینے والے ہیں، آپ مجھے بھی معاف کر دیجیے۔ نبی نے اس وقت جان کر اس دشمن کو معاف کر دیا۔ جیسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کیا اس کے دل پر ایسی تاثیر ہوئی کہ رو پڑا اور کہنے لگا: اے اللہ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیں تاکہ میرا اللہ بھی مجھے معاف کر دے۔ نبی تو جان کر دشمن کو بھی معاف فرما دیا کرتے تھے۔

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فاتح بن کر مکہ میں تشریف لائے۔ تو مکہ کے لوگ اس وقت بڑے پریشان تھے کہ آج مسلمان فاتح بن کر آ رہے ہیں۔ یہ مکہ میں آئیں گے۔ یہ مکہ وہی زمین ہے جہاں مسلمانوں کو مارا گیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا گیا۔ جہاں ان کو سورج کی دھوپ میں گرم ریت کی چٹانوں پر رکھا گیا، جہاں ان کو کوڑے لگائے گئے، جہاں ان کے زخموں پر گرم پانی ڈالا گیا۔ جہاں ان کے پرانے زخموں کو پھر تازہ کیا گیا۔ ان کے جسموں کے کئی کئی ٹکڑے کر دیے۔ ان کو شعب ابی طالب میں کئی سال تک بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو واپس آ رہے ہیں، معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ آج ہماری عزتیں پامال ہوں گی، ہم سے یہ بدلے لیں گے، گن گن کر یہ بدلے چکائیں گے۔

اس وقت مکہ کی کافر عورتیں پریشان تھیں معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا بنے گا؟ ہمارے خاوندوں کے ساتھ۔ ہمارے بچوں کے ساتھ کیا بنے گا؟ یہ مسلمان آج اسی شہر میں فاتح بن کر آ رہے ہیں جہاں ہم نے ان پر ظلم کی حدیں توڑ دی تھیں۔ جہاں ہم نے ان کو کمزور سمجھ کر اس قدر ظلم کی چکی میں پیسا تھا کہ ان کا ایک ایک بندہ زخموں کی وجہ سے بلبلا اٹھتا تھا۔ وہی آج فاتح بن کر آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ رات مکہ کے لوگوں پر عجیب تھی۔

مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے آگے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک جھکا ہوا ہے۔ داخل ہو رہے تھے تو سواری کی گردن کے ساتھ آپ کی پیشانی لگ رہی ہے اور آپ اللہ کے حضور شکر گزار بن کر جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''اس ایک اللہ کی تعریف ہے جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور ایک نے سب جماعتوں کو شکست دی''

چنانچہ آپ عجیب شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ عاجزی ہے۔ آنکھوں میں شکر کے آنسوں ہیں۔ اے اللہ یہ وہی کعبہ ہے جہاں سے لوگوں نے مجھے نکال دیا تھا۔ مجھے وہاں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ آج تو واپس مجھے کس شان کے ساتھ لا رہا ہے؟ میں تیری نعمتوں کا شکرادا کرتا ہوں۔ چنانچہ مسلمان جب داخل ہوئے تو مکہ کے لوگ حیران تھے، پتہ نہیں آج ہمارے ساتھ کیا بنے گا؟ رات ہوئی سارا دن گزر گیا مسلمان عمرہ کے اندر مشغول ہیں۔ کوئی طواف میں مشغول ہے، کوئی عبادت میں مشغول ہے۔ لوگوں نے کہا ممکن ہے یہ جنگی چال ہو کہ رات کے منتظر ہوں۔ جب رات کا اندھیرا ہو گا تو یہ ہمارے نوجوانوں کے گلوں پر تلواریں چلائیں گے۔ پھر ہماری بیٹیوں کی عزتیں لوٹی جائیں گی۔ معلوم نہیں کیا کہرام مچے گا؟ نیندیں اڑ چکیں، کھانے کو جی نہیں چاہتا، مکہ کے ہر گھر میں پریشانی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اعلان ہو گیا جو مسجد میں یا گھر میں بیٹھا رہے گا وہ امن میں ہے، جو ابو سفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے۔ جو گھر سے باہر نہ نکلے وہ گویا امن میں ہے۔ مکہ کے لوگ کہنے لگے: ہو سکتا ہے کہ یہ اوپر اوپر کی باتیں ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رات کے منتظر ہوں اور رات کو یہ ہم سے اپنی دشمنیوں کے بدلے لیں۔ چنانچہ رات آگئی اب مکہ کے لوگ انتظار میں ہیں اپنے دروازوں کی طرف نگاہیں اٹھا کے دیکھتے ہیں کہ شاید اب کوئی آئے گا ہمارے دروازوں کو توڑے گا پھر باپ کو قتل کرے گا، بیٹے کو قتل کرے گا، اور ان کی بیٹیوں کی عزتوں کو پامال کرے گا۔ مگر عشا کی نماز ہو چکی، دیر ہو گئی کوئی ان کی طرف آ نہیں رہا۔ مکہ کے لوگ ایک

ایک کر کے باہر نکلے۔ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ مسلمان کہاں ہیں؟ کسی نے کہا کہ وہ تو بیت اللہ شریف کے اندر ہیں۔چنانچہ وہ آکر مکانوں کی چھتوں سے دیکھنے لگ گئے۔کیا دیکھتے ہیں؟ کوئی حجر اسود کو بوسے دے کر رو رہا ہے،کوئی مقامِ ابراہیم پہ سجدے میں رو رہا ہے،کوئی طواف کرتے ہوئے رو رہا ہے،کوئی نفل نمازیں پڑھتے ہوئے رو رہا ہے،کوئی قرآن مجید پڑھ کر رو رہا ہے۔مسلمانوں پر عجیب کیفیت تھی وہ تو اللہ کے گھر سے بچھڑے ہوئے تھے،آج وہ اپنے رب کو منا رہے تھے اس کا شکرادا کر رہے تھے۔دنیا نے کبھی ایسی فتح کرنے والی آرمی نہیں دیکھی ہوگی جو اللہ کی عبادت میں سربسجود ہے۔

مکہ کی عورتیں حیران ہیں کہ ان مسلمانوں کو آج کیا ہوا ہے؟ کہ آج یہ اس طرح رو رہے ہیں۔تب ان کو پتہ چلا کہ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اتنی ہے کہ انہوں نے اپنے مالک کے سامنے شکر کے آنسو بہائے،اس کی عبادت کی اس کے سامنے اس کا شکرادا کیا۔

اس کے بعد جب اگلی صبح ہوئی تو مکہ کی عورتیں انتظار میں ہیں کہ معلوم نہیں اب ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے گا؟ اب اللہ کے نبی کے پاس کافر لوگ آئے، انہوں نے کافروں سے پوچھا: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم وہی کہتے ہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا۔

﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾ (الیوسف:۹۱)

''واقعی اللہ نے آپ کو ترجیح دی ہم پر اور ہم غلطی پر تھے۔ہم نے آپ کے ساتھ بہت زیادتیاں کی''

اللہ کے محبوب نے فرمایا: جب تم نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا تو اب میری بات بھی سن لو، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

"جاؤ آج میں نے تمہاری سب غلطیوں کو معاف کر دیا"

دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ مکہ کی عورتیں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں ہم کیا سمجھتی تھیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ اور انہوں نے معافی کا فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ لائن لگ گئی کلمہ پڑھنے والوں کی۔ اللہ کے محبوب نے ان کو معاف کر کے ان کے دل جیت لیے۔ اللہ کے محبوب بیٹھے ہوئے ہیں، لوگ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے صف میں شامل ہو رہے ہیں۔ اللہ کے محبوب نے ہمیں یہ سبق دے دیا کہ دیکھو! اس سے زیادہ کس کو اذیتیں پہنچ سکتی ہیں؟ جو مجھے لوگوں نے پہنچائی مگر میں نے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بدلے میں اللہ نے لوگوں کو اسلام کی نعمت بھی دی اور اس کے بدلے اللہ نے مسلمانوں کو عزتیں بھی دیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: جو انسان اللہ کے لیے کسی کو معاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس بندے کی عزت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ ہمارے آپس کے زیادہ جھگڑے صرف اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ ہم کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتے، کسی کی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتے، ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے لیے اس کو معاف کر دیا کریں تا کہ اسکے بدلے اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف کر دے۔ بلکہ ہمارے بزرگوں نے تو اس سے بہت بڑھ کے مثالیں پیش کر دیں۔

دلوں کی کشتی الٹ گئی:

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ قریب سے ایک نوجوانوں کی جماعت گزری وہ کہیں دریا میں جا کر پکنک منانا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک بڑی کشتی بک کروائی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب وہ گزرنے لگے تو انہوں نے کہا: اس بوڑھے کو بھی ساتھ لے لو۔ ہم اس کے ساتھ مذاق کرتے رہیں

گے اور اس طرح ہمارا وقت خوش گپیوں میں گزرے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے ان کو بازوں سے پکڑ لیا۔ حضرت ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہاں پہنچے۔ جب وہ کشتی میں بیٹھ گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ خوب ہنسی مذاق کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک اٹھ کر آیا۔ جب کوئی لطیفہ سناتا تو ان میں سے جو اچھا لطیفہ ہوتا لوگ اس وقت حضرت کے سر پر تھپڑ مارتے اور وہ آپس میں ہنستے۔ تھپڑ ان کے سر پر لگتے رہے اور حضرت خاموش بیٹھے رہے۔ لوگ بار بار ان کو تھپڑ مار رہے ہیں، پریشان کر رہے ہیں، ان کو ذلیل کر رہے ہیں مگر ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی رضا کیلئے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ کافی دیر گزر گئی، انہوں نے ایک ولی اللہ کے ساتھ بدتمیزی کی۔ جب اس طرح بدتمیزی کی جائے، اس کے دل کو ایذاء پہنچائی جائے تو اللہ رب العزت کو جلال آتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں الہام فرمایا۔ اے میرے ابراہیم! یہ لوگ تیرے اتنے ناقدرے، اندھے تیرے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں، اگر تو دعا مانگے تو میں کشتی الٹ دوں، تاکہ ان سب کو غرق کر دیا جائے۔ جب یہ الہام ہوا تو ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگے: اے اللہ! جب آپ کچھ الٹنا ہی چاہتے ہیں تو اس کشتی کو نہ الٹیے بلکہ ان نوجوانوں کے دلوں کی کشتی الٹ دیجئے۔ تاکہ یہ بھی تیرے نیک اور برگزیدہ بندوں میں شمار ہو جائیں۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور کشتی میں جتنے لوگ تھے ان سب کو اللہ رب العزت نے اپنے اولیاء اللہ میں شامل فرما لیا۔ تو دیکھیے۔ اللہ والوں نے کس طرح لوگوں کو معاف کر دیا اور اس کے بدلے اللہ رب العزت ان کو کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائیں؟ انسان جب کسی کی غلطی کو معاف کر دے تو اس کے بدلے اللہ رب العزت اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

(۳) تواضع اختیار کرنے کی فضیلت

اور تیسری بات ارشاد فرمائی:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ))

''جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں''

اور جو بندہ اللہ رب العزت کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں اور اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔ تواضع کہتے ہیں: اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا اور دوسروں کو اپنے سے افضل اور بہتر سمجھنا، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

چنانچہ جس نے اللہ رب العزت کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو بلندیاں عطا فرماتا ہے۔ اور جسے اللہ رب العزت بلندی عطا فرماتا ہے اس کی عزت کو پھر کوئی روک نہیں سکتا۔ لوگ جتنی مرضی کوششیں کریں، اس انسان کو نیچے گرانے کی اس کی عزت گھٹانے کی جسے اللہ رب العزت عزتوں کے فیصلے دے دے پھر کوئی آدمی اس کو دنیا کے اندر ذلیل نہیں کر سکتا۔

عزتوں کے فیصلے:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان دنیا میں جھوٹی عزتیں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ عورتیں سمجھتی ہیں شاید ہم فلاں کپڑے پہن لیں گی تو ہماری بڑی عزت ہوگی، زیور پہن لیں گی تو بڑی عزت ہوگی، اچھا مکان ہوگا تو بڑی عزت ہوگی، اچھی گاڑی ہوگی تو بڑی عزت ہوگی۔ ان چیزوں سے عزتیں نہیں ملتی۔ عزت تو نیکوکاری سے ملتی ہے، پرہیزگاری سے ملتی ہے، عبادت سے ملتی ہے۔ جس نے اپنے پروردگار کے سامنے عزت پالی، پھر اللہ رب العزت اس کو دنیا میں عزتیں دیتا ہے۔ اس کے لیے عزتوں کا

فیصلے ہو جاتے ہیں، بلکہ اللہ رب العزت اس کو بلندیاں عطا فرماتا ہے۔ یہ دین وہ نعمت ہے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے انسان کو عزت ملی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کو دیکھیں! اولیاء اللہ کی زندگیوں کو دیکھیں! کہ کس طرح انہوں نے دین پر عمل کیا۔ حتیٰ کہ ان کے دروازے پر وقت کے بادشاہ آیا کرتے تھے، دنیا مال و دولت کے ڈھیر لگا دیتی تھی اور وہ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ تو اللہ رب العزت نے ان کو عزتیں عطا فرمائیں۔

اگر ہمیں اس حدیث پاک کی تینوں باتوں پر عمل کی توفیق نصیب ہو جائے تو یقینی بات ہے کہ ہماری زندگی نیکی پر گزرے گی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نبی علیہ السلام کے اس فرمان کو اپنی زندگی میں لاگو کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ اللہ رب العزت ہمیں عزتیں دے۔

دین پر عمل کیسے ہوسکتا ہے:

اب دین پر عمل کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے لیے پہلے علم پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔ علم پڑھنا سب سے پہلا قدم ہے اور پھر علم پر عمل کرنا دوسرا قدم ہے۔ اس کے لیے عام طور پر بچیوں کو قرآن مجید کی تفسیر پڑھانا، حدیث پاک پڑھانا، تاکہ بچیوں کو دین کا پتہ چل سکے اور وہ اپنی زندگی دین کے مطابق گزار سکیں۔ تو اس کے لیے عام طور پر اداروں میں بھی کورس کروائے جاتے ہیں۔

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾ (النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱)

"اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے آپ

کو خواہشات نفسانی میں پڑنے سے بچالیا اللہ تعالیٰ اس انسان کو جنت ماویٰ عطا فرمائیں گے''

دنیا کے اندر اگر انسان نیکی کے بیج بوئے گا تو اسے آخرت میں نیکی ملے گی اور اگر گناہوں کے کانٹے بیجے گا تو آخرت میں اسکو کانٹے ملیں گے۔

......دنیا میں اگر کوئی انسان کیکر کا درخت بوئے تو اس کے اوپر سیب نہیں لگتے اور اگر کوئی سیب کا درخت بوئے تو وہ کبھی کیکر کا درخت نہیں بن سکتا۔ دنیا میں جو بیج بویا جاتا ہے وہی انسان کو پھل ملتا ہے۔

آج اپنی زندگی کے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے نیکیوں کے بیج بوئیں۔ نیک اعمال زیادہ سے زیادہ کرلیں، اپنے نامۂ اعمال میں ہم نیکیوں کو اکٹھا کرلیں۔ توبہ کے ذریعے سے گناہ اپنے پروردگار سے بخشوالیں۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوتا ہے؟

اللہ رب العزت نے توبہ کے دروازے کو کھلا رکھا۔ دو کیفیتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں توبہ کے دروازے کو بند کردیا جاتا ہے۔

ایک تو یہ انسان پر موت کی کیفیت طاری ہوجائے اور اس کا سانس اکھڑ جائے، سانس کے اکھڑ جانے پر توبہ کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے۔

دوسرا پھر قیامت کے نزدیک جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ توبہ کے دروازے کو بند کردیں گے۔ اس سے پہلے پہلے جو انسان اپنی زندگی میں سچی توبہ کرلیتا ہے، اللہ رب العزت اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

رب کریم کی چاہت:

احادیث میں اس کے کتنے ایسے واقعات ہیں جن کو پڑھ کر انسان حیران ہوتا

ہے۔ رب کریم چاہتے ہیں میرے بندے اپنے گناہوں سے معافی مانگیں، میں ان کے گناہوں کو معاف کردوں میں ان کی خطاؤں کو معاف کردوں۔ اللہ رب العزت بڑے رحیم ہیں وہ بڑے کریم ہیں۔ جتنا ایک ماں کے دل میں اولاد کی محبت ہوتی ہے۔ اگر ستر ماؤں کی محبت کو جمع کریں تو اللہ رب العزت کو اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے محبت ہے۔

گناہوں کو دھونے کا وقت:

آپ ماں کی مثال کو دیکھ لیجیے۔ اس کو اپنے بچوں سے کتنی محبت ہوتی ہے۔ ایک ماں ہے اس کے بیٹے نے کوئی غلطی کرلی۔ اب بیٹا سامنے آ گیا اس نے معافی مانگ لی ماں معاف کر دیتی ہے۔ ماں کا دل بہت دکھا ہوا ہے، وہ بہت ناراض ہے، بیٹا آ گیا، اس نے آ کر پاؤں پکڑ لیے، ماں معاف کر دیتی ہے۔ اگر ماں اور زیادہ دکھی تھی اور اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں بیٹے کو معاف نہیں کروں گی، پھر بیٹا اگر احساس کرلیتا ہے، ماں کے سامنے آ جاتا ہے اور ماں کے سامنے آ کر معافی مانگتا ہے۔ ماں انکار کر رہی ہے، بیٹا معافی مانگتا ہے۔ ماں انکار کرتی ہے، کہتی ہے: تجھے نہیں معاف کروں گی، ... ہی بچہ رو پڑتا ہے اس کا ایک آنسو گرتا ہے، ماں کے دو آنسو گر جاتے ہیں۔ ماں اپنے بچے کو روتا نہیں دیکھ سکتی۔ ماں جتنا سخت دل کر چکی تھی، اب بیٹے کے آنسوؤں کو کون دیکھے؟ آخر اس کے دل میں ممتا کی محبت ہے، وہ ماں ہے، وہ اپنے بیٹے کو روتا تو نہیں دیکھ سکتی۔ بیٹے کی آنکھ سے آنسو نکلا، اس نے ماں سے معافی مانگی، ماں سب باتیں بھول جاتی ہے اور کہتی ہے: میرا بیٹا تو رو نہیں! وہ اسی بیٹے کے آنسو پونچھنے لگ جاتی ہے۔ کہتی ہے: میں تجھے روتا نہیں دیکھ سکتی، جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ تو جس ماں کے دل میں اولاد کی اتنی محبت ہو ایسی ستر ماؤں کی محبت کو جمع کریں اللہ رب العزت کو بندے سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔

لہٰذا جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلا کر بیٹھتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو اللہ رب العزت معاف فرما دیتے ہیں۔ اگر بندے کے اور بڑے گناہ تھے وہ اپنے دل میں شرمندہ ہوتا ہے اللہ معاف کر دیتے ہیں۔ اگر اور بڑے گناہ تھے بندہ اگر آنسوؤں کے ساتھ رو پڑتا ہے، اللہ کے سامنے معافی مانگ لیتا ہے، عہد کر لیتا ہے، رب کریم! میری غلطیوں کو معاف فرما! آئندہ میں نیکوکاری کی زندگی گزاروں گا۔ اس بندے کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں، نیچے نہیں گرتے بلکہ اس کے نامہ اعمال کے گناہوں کو دھوتے چلے جاتے ہیں۔ آج وقت ہے اپنے گناہوں کو آنسوؤں سے دھو لیجیے! ایسا نہ ہو یہ گناہوں کے انبار اکٹھے ہوتے چلے جائیں اور قیامت کے دن کی شرمندگی اٹھانی پڑ جائے۔

رب کریم نے وعدے فرما لیے۔ میرا بندہ معافی مانگے گا تو میں اس بندے کو معافی دے دوں گا، اگر چاہوں گا تو اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں سے تبدیل کر دوں گا۔ ان محفلوں میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اپنی کوتاہیوں کو یاد کر کے رب کریم سے معافی مانگ لیجیے۔ وہ رب کریم چاہتا ہے میرے بندے اپنے گناہوں سے معافی مانگیں۔ فرمایا:

﴿قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: ۵۳)

”فرما دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے گناہوں کے ذریعے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔“

اے پروردگار! قربان جائیں تیری رحمت پر آپ اپنے محبوب کو حکم دے رہے ہیں، میرے بندو! تم میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ جب تم معافی مانگو گے . . .

تمہارے گناہوں کو معاف کردوں گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تا کہ ربِ کریم ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور آئندہ ہمارے ساتھ اپنی مدد شاملِ حال فرمادے۔ ہمیں برائی سے بچا کر نیکی کمانے والا بنائے۔ ہمیں ایمانی قرآنی اور اسلامی زندگی بسر کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ جس ربِ کریم نے دنیا میں ہمیں رزق دیا، عزتیں دیں، صحت دی، وہ رب کریم ہمیں آخرت کی منزلوں میں بھی آسانی کے ساتھ کامیاب وکامران فرمادے۔

ہماری آج کی محفل میں جو دعائیں مانگی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرما کر دنیا وآخرت میں ہماری سعادت کا فیصلہ فرمادے (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

(آل عمران:١٩)

معاشرت کے سنہری اصول

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

دین محبتوں کو پیدا کرتا ہے، دلوں کو جوڑ دیتا ہے۔ لہذا جو شخص بھی دین پر عمل کرنے والا ہوگا۔ آپ غور کریں اس کو ہر دوسرے دیندار کے ساتھ ایک فطری محبت ہوگی۔ اگر کہیں کمی اور کوتاہی نظر آئے تو آپ فوراً سمجھ لیجیے کہ عمل میں کہیں نہ کہیں کوتاہی موجود ہے۔ اگر دین پر عمل ہوتا تو دلوں میں الفتیں ہوتیں، ہمدردی ہوتی۔ چنانچہ یہ دین اسلام محبتیں پیدا کرنے والا دین ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اگر وہ نیک اعمال کریں گے تو اللہ رب العزت ان کے دلوں میں محبتیں بھر دیں گے۔"

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

معاشرت کے سنہری اصول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹)

وقال تعالیٰ فی مقام اٰخر

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دلوں کو جوڑنے والی چیز:

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں دو چیزوں کو جوڑنے کے لیے کسی نہ کسی تیسری چیز کو بنایا ہے۔ مثال کے طور پر دو اینٹوں کو جوڑنا ہو تو اللہ رب العزت نے اس کیلیے سیمنٹ کو بنایا۔ اس کے ذریعے دو اینٹوں کو جب آپ جوڑ دیں گے تو اینٹیں یک جان ہو جائیں گی۔ لیکن اگر آپ کاغذ کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا چاہیں تو سیمنٹ کام نہیں آئے گا، گلو کام آئے گی۔ آپ گلو کو اپلائی کریں تو کاغذ کے دو ٹکڑے یکجان ہو جائیں گے۔ اگر آپ کپڑے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو وہاں گلو بھی کام نہیں آئے گی، سیمنٹ

بھی کام نہیں آئے گا، اس کے لیے اللہ رب العزت نے سوئی دھاگے کو بنادیا۔ اس کے استعمال سے وہ دو ٹکڑے یکجان ہو جائیں گے۔ اگر لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو نہ سوئی دھاگہ کام آئے گا، نہ گلو کام آئے گی اور نہ سیمنٹ کام آئے گا۔ وہاں پر آپ کیل ٹھونک دیں تو لکڑی کے دو ٹکڑے یکجان ہو جائیں گے۔ اگر لوہے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو اس کے لیے کیل اور سیمنٹ کام نہیں آئے گا بلکہ اس کے جوڑنے کے لیے اللہ نے ویلڈنگ بنادی۔ آپ ویلڈنگ کے ذریعے لوہے کے دو ٹکڑوں کو یک جان بنا سکتے ہیں۔ تو ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانوں کے دو دلوں کو جوڑنا ہو تو اس کا Jointing Copound (جوڑنے والا مرکب) کون سا ہے؟ جو دو دلوں کو ملا دے، اکٹھا کر دے، ان میں محبت ڈال دے۔ اس چیز کا نام ہے "دینِ اسلام"۔ اللہ نے اس کو اتارا ہی اسی لیے کہ جو اس پر عمل کرے گا ان کے دلوں میں آپس میں الفتیں اور محبتیں پیدا ہو جائیں گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب ﷺ!

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ﴾ (الانفال:۶۳)

"اگر آپ زمین کے سارے خزانوں کو خرچ کر دیتے تو آپ ان لوگوں کے دلوں میں الفتیں پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو اللہ نے دلوں میں محبت ڈال دی ہے۔"

تو دین محبتوں کو پیدا کرتا ہے، دلوں کو جوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی دین پر عمل کرنے والا ہوگا۔ آپ غور کریں اس کو ہر دوسرے دیندار کے ساتھ ایک فطری محبت ہوگی۔ اگر کہیں کمی اور کوتاہی نظر آئے تو آپ فوراً سمجھ لیجیے کہ عمل میں کہیں نہ کہیں کوتاہی موجود ہے۔ اگر دین پر عمل ہوتا تو دلوں میں الفتیں ہوتیں، ہمدردی

ہوتی۔ چنانچہ یہ دین اسلام محبتیں پیدا کرنے والا دین ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اگر وہ نیک اعمال کریں گے تو اللہ رب العزت ان کے دلوں میں محبتیں بھر دیں گے۔''

اپنے اوپر خیر کو غالب کرنے کا حکم:

اللہ رب العزت نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا، جنوں کو اللہ رب العزت نے آگ سے پیدا کیا اور انسان کو اللہ رب العزت نے مٹی سے پیدا کیا۔ اب جو فرشتے ہیں وہ سراپا خیر ہیں، جو شیطان ہے وہ سراپا شر ہے اور جو خیر اور شر دونوں کا مجموعہ ہے وہ حضرت انسان ہے۔ ہر انسان کے اندر خیر بھی ہے، شر بھی ہے۔ لیکن حکم یہ ملا: میرے بندو! تم اپنے اوپر خیر کو غالب کرو اور اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ۔ چنانچہ انسان کو جیسا ماحول ملتا ہے وہ ویسا بن جاتا ہے۔ دنیا کے نیک ترین انسان کو بھی برا ماحول مل جائے تو پھسلنے کے چانس موجود ہیں۔ اگر دنیا کے بدترین انسان کو نیک ماحول مل جائے تو سنورنے کے چانس موجود ہیں۔ شریعت نے کہا: اچھا انسان وہ ہے جس کے اوپر خیر غالب ہو۔ چنانچہ شریعت نے ایک گولڈن رول (بنیادی اصول) بتا دیا وہ کیا؟ مسلم شریف کی روایت ہے۔ ارشاد فرمایا:

((تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ))

''دوسرے لوگوں کو تم اپنے شر سے بچاؤ''

مسلمان کی تعریف:

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمان کی جو Defination (تعریف) کی۔ وہ یہ تھی۔ ’’مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔‘‘

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))

نہ زبان سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے، نہ ہاتھ سے (فعل سے) کوئی تکلیف پہنچے۔ گویا زبان اور ہاتھ دونوں سے ہم دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ اگر ہمارے اندر یہ صفت موجود ہے تو ہم مسلمان ہیں ورنہ تو ہم مسلمان کی تعریف پر ہی پورا نہیں اترتے۔

زبان کو ہاتھ سے مقدم کرنے کی حکمت:

اس میں شریعت نے زبان کا تذکرہ پہلے اور ہاتھ کا تذکرہ بعد میں کیا کہ جس کی زبان سے اور ہاتھوں سے دوسرے محفوظ رہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے مواقع کم ہوتے ہیں اور زبان سے تکلیف پہنچانے کے مواقع زیادہ ہیں۔ ایک لفظ ہی بولنا ہوتا ہے ایسا لفظ بولا کہ اگلے کا دل ہی ٹوٹ گیا اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کے لیے تو طاقت ور ہونا ضروری ہے لیکن زبان سے تکلیف تو کمزور بھی پہنچا سکتا۔ کوئی طعنہ دے دیا یا کوئی ایسی بات کر دی کہ اس کے دل میں غم چھا گیا۔ پھر ہر وقت تو انسان دوسرے کو ہاتھ سے تکلیف نہیں دے سکتا۔ لیکن زبان کی تکلیف تو جب چاہے پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لیے قریب ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ ہاتھ سے تکلیف دینی ہے تو جس کو دینی ہے وہ پاس ہوگا تو تکلیف دیں گے۔

لیکن زبان سے تکلیف دینے کے لیے تو پاس ہونا ضروری نہیں۔ کسی محفل میں بات کر دی فون پہ بات کر دی اگلے نے جب سنا تو اس کا دل برا ہو گیا کہ دیکھو اس نے میرے متعلق کیا (Comments) کلمات لڑھکا دیئے۔

چنانچہ ہاتھ سے انسان دوسرے کو جو زخم لگاتا ہے وہ پھر بھی بھر جاتے ہیں۔ لیکن جو زخم زبان سے لگتے ہیں وہ نہیں بھرا کرتے۔

ضرب المثل ہے:

''ہاتھ کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا لگا زخم کبھی نہیں بھرتا''

ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زبان کا تذکرہ پہلے فرمایا اور ہاتھ کا تذکرہ بعد میں فرمایا۔ ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے:

''جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''

دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں، ان کی جان محفوظ ان کا مال محفوظ ان کی عزت آبرو محفوظ ہو۔ ایسا شخص مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔ اس پر مسلمان کی تعریف پوری آتی ہے۔

انسان، جانوروں سے بھی بدتر کیسے؟

اگر ہم غور کریں تو ہم آج اس میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ کتنے مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے ساتھ والے بھائی کو دکھ دے دیتے ہیں، پریشانی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔ اس لیے تو کہا گیا کہ ایسا بندہ جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ کیوں؟ علما نے اس کی وجہ لکھی کہ جانور تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک بکری، گائے، بھینس۔ یہ اپنی ضرورت کے لیے بھی دوسرے کو بھی تکلیف نہیں دیتے۔ بھینس کو اگر پیاس لگی ہوگی تو یہ نہیں ہوگا کہ وہ اپنے ساتھ والی بھینس کو ٹکر

مارنی شروع کر دے گی۔ اگر اس کو پیاس لگی ہے تو بھی کھڑی ہے اگر بھوک لگی ہے تو بھی کھڑی ہے۔ یہ جانوروں کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

ایک ان کی دوسری قسم ہے جیسے شیر، چیتا وغیرہ۔ ان کو اگر اپنی ضرورت ہو تو پھر دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں۔ شیر کو بھوک لگی ہو گی تو دوسرے جانور کو مار کھائے گا جب پیٹ بھرا ہو گا تو پرواہ ہی نہیں ہو گی۔

ہم نے ایک مرتبہ ایک جنگل سے گزرتے ہوئے شیر کے بالکل چھ سات میٹر پر ایک امپالا دیکھا۔ ہرن کو کھڑا دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی، میرے ذہن میں تو کوئی اور تصور تھا۔ میں نے گائیڈ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ امپالا اتنا قریب ہے اور شیر جاگ بھی رہا اور اسے کہہ کچھ نہیں رہا۔ اس نے کہا کہ اس نے پہلے شکار کیا، اب اس کا پیٹ بھرا ہے، جب تک اسے بھوک نہیں لگے گی یہ کسی کو کچھ نہیں کہے گا۔ چنانچہ شیر کا جب پیٹ بھرا ہو تو اس کے پیٹ پر اگر چوہا بھی ناچتا پھرے تو وہ چوہے کو بھی کچھ نہیں کہتا۔ یہ جانوروں کی دوسری قسم ہے

اور جانوروں کی ایک تیسری قسم ہے۔ سانپ اور بچھو ہیں، ان کا کام ہوتا ہے دوسرے کو تکلیف پہنچانا اور ان کا اپنا فائدہ بھی کوئی نہیں ہوتا۔ مثلاً بچھو جو کاٹتا ہے تو کون سی اس کی بھوک اتر جاتی ہے؟ کون سی اس کی پیاس بجھتی ہے؟ نہیں، عادت ہے کاٹنے کی۔ لہٰذا آپ بچھو کو دیکھیں لکڑی کے پاس ہو گا تو اسے ڈنگ لگائے گا، دیوار کے پاس ہے تو اسے ڈنگ لگائے گا، کوئی بھی چیز اس کے پاس ہے تو اس کو ڈنگ ضرور مارے گا۔ کسی نے بچھو سے پوچھا تھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا جناب جس کی دم پر آپ ہاتھ رکھیں گے وہی آپ کو جواب دے گا۔ تو انسان جب اخلاقی طور پر گرتا ہے تو وہ اس قسم کا جانور بن جاتا ہے۔

دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے اور الٹا اس کے اوپر خوشیاں مناتا ہے۔ مثال کے

طور پر: آپ نے عورتوں سے سنا ہوگا کہ میں نے بھی ایسی بات کی کہ گھر جا کر جلتی رہی ہوگی۔ اب خوش ہو رہی ہے کہ میں ایسی بات کر آئی کہ وہ گھر جا کر جلتی رہی ہوگی۔ تو ہم دوسروں کو دکھ دے کر اس پر الٹا خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر کہا گیا۔

اچھا انسان وہ ہے جو اپنے شر سے دوسروں کو بچائے۔

اپنی جان کا صدقہ:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ))

"نیکی ہے کہ تم دوسرے کو اپنے شر سے بچاتے ہو"

جو اپنے شر سے دوسروں کو بچاتا ہے وہ اس کی اپنی جان کی طرف سے ایک صدقہ ہے۔ دیکھیں: اگر کوئی شخص کچھ کہنا چاہتا ہے کسی دوسرے کو اور وہ اپنے آپ کو روک لیتا ہے تو اس روکنے پر اس کو رکنے کا اجر دیا جائے گا۔ اس نے جو اپنے آپ کو ہولڈ کیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے مجاہدہ کیا۔ حالانکہ اس نے کچھ کیا؟ نہیں۔ کیا حسن ہے دین اسلام کا!

کیا خوبصورتی ہے اس شریعت کی! سبحان اللہ! اب کسی کو تکلیف نہ پہنچانا کتنا آسان کام ہے۔ نہ وقت خرچ ہوتا ہے، نہ مال خرچ ہوتا ہے، نہ محنت خرچ کرنی پڑتی ہے۔ بس ہم کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں شریعت نے اس کو بھی ثواب کہا، فرمایا:

((فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ عَلٰى نَفْسِكَ))

"یہ تمہاری جانوں کی طرف سے ایک صدقہ ہے"

اب جب شریعت نے یہ بات کہہ دی تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے انسان بن کر زندگی گزاریں کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، ہم سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ ہر وقت یہ چیز

ہمارے دل میں ہونی چاہیے کہ مسلمان کی Basic Definition (بنیادی تعریف) جسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈیفائن کیا ہے مسلمان کو اس پر توجہ دینی چاہیے۔

ہمیں اونچے مضامین سوچنے کی بجائے اپنی بنیاد کو دیکھنا چاہیے۔ اور یہ ایسا کام ہے جو ہر بندے کو کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ مل جل کر جو زندگی گزارتے ہیں تو ہمارے برتاؤ کا ہمارے رویے کا ساتھ والوں پر اثر ہوتا ہے۔ اگر ہم خوش اخلاق بن کر رہیں گے تو ہمارے ساتھ والوں پر اس کا اثر ہوگا۔ ہم سویٹ بن کر رہیں گے تو ساتھ والے ہمارے ساتھ رہنا، بولنا پسند کریں گے، ان کو راحت ہوگی، تو ہم اللہ کے بندوں کے لیے راحت جان بنیں۔ وبال جان نہ بنیں۔ شر تو ہر بندے کے اندر ہے، بس جو شر کی Tepmtation ہے اس کو ہم روکیں۔ ذرا سی بات غصہ دلا دیتی ہے تو اس کو روک لیں، نہ غصہ میں آئیں، یہ بندے کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے، مگر پتہ ہے کہ اس بات کو سن کر اس کا دل دکھے گا۔ ہم اس بات کو نہ کریں۔

یہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن اس پر بھی اللہ تعالیٰ صدقے کا اجر لکھ دیتے ہیں۔ اب ذرا اس کی مثالیں ہم دیکھتے چلے جائیں:

اولاد کا رویہ:

ہم گھر میں زندگی گزارتے ہیں۔ بچے والدین کو تنگ کرتے ہیں، ماں باپ کا دل دکھاتے ہیں۔ اب ماں باپ کتنا خرچ کرتے ہیں؟ ان کے لیے کماتے ہیں۔ پہلے ان کو کھلاتے ہیں بعد میں خود کھاتے ہیں، پہلے انہیں پلاتے ہیں بعد میں خود پیتے ہیں، پہلے ان کو سلاتے ہیں بعد میں خود سوتے ہیں۔ اور بچوں کا یہ حال کہ باپ سے اس طرح نفرت کرتے ہیں جس طرح کوئی پاپ سے نفرت کرتا ہے۔ کیونکہ ابو پڑھنے کے لیے کہتے ہیں۔ اب کیا ابو کا یہ مطالبہ کوئی برا ہے؟ ابو آپ کو اچھا انسان دیکھنا چاہتے

ہیں، جب کوئی غلطی کرتے ہو تو ابو آپ کو بتاتے ہیں، گائیڈ کرتے ہیں۔ اب تمہارے باپ سے زیادہ ہمدرد تمہارا کون ہو سکتا ہے؟ نوجوان اس چیز کو نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں: امی ہمیں گھر سے نکلنے نہیں دیتیں۔ بھئی! امی کی یہ ذمہ داری ہے، آپ جس عمر میں ہو اس میں آپ کا باہر نکلنا اور اس طرح دوستوں کے ساتھ ملنا، بیٹھنا یہ آپ کی زندگی کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ مگر ماں باپ بچوں کو جو یہ تربیت سکھاتے ہیں اس لیے ان کو والدین اچھے نہیں لگتے۔ ان بچوں کو اس عمر میں پڑھنے کے سوا ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ چنانچہ ان کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔

چھوٹی سی بات ہوتی ہے۔ ماں نے کوئی کام کہا ادھر سے سنا ادھر سے نکال دیا۔ ابو کی بات کو، بڑے بھائی کی بات کو Ignore (نظر انداز) کر دیا۔ اولاد ماں باپ کو تکلیف دیتی ہے حالانکہ ماں باپ کتنی محبت سے اولاد کو پالتے ہیں۔ کبھی والدین آ کر کہتے ہیں: حضرت! دعا کریں یہ بچے بس، ہر بچہ افلاطون بنا ہوا ہے۔ تو بچوں کو یہ بات سمجھانی پڑتی ہے کہ ماں باپ تمہارے محسن ہیں، ان کے حقوق ہیں، شریعت نے تو کہہ دیا کہ تمہارے لیے جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ شریعت نے تو یہاں تک کہہ دیا: جو بندہ اپنے والدین کے چہرے پر عقیدت اور محبت کی ایک نظر ڈالتا ہے س کو ایک نظر پر اللہ تعالیٰ حج یا عمرے کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی بار بار دیکھے تو؟ فرمایا: جتنی مرتبہ دیکھے گا اللہ رب العزت چاہیں گے تو ہر مرتبہ اجر و ثواب عطا فرما دیں گے۔

جن کے چہرے کو دیکھنا اللہ نے عبادت بنا دیا، آج نوجوان انہیں کا دل دکھاتے ہیں۔ پڑھنے کو کہتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بہت پڑھ لیا ہے۔ رزلٹ ایسا ہوتا ہے کہ اس مضمون میں بھی فیل، اسمیں بھی فیل، اس میں بھی فیل۔ ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ یہ ماں باپ ہی جانتے ہیں۔ جس اولاد کے لیے دن میں دعائیں

کیں، رات میں دعائیں کیں، جب یہ بگڑتی ہے تو اس کا غم وہ کسی کو کہہ بھی نہیں سکتے۔

ماں کی مامتا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک نوجوان صحابی علقمہ رضی اللہ عنہ ان کا نام ہے۔ انہوں نے کوئی بات کر دی کہ ان کی والدہ ان سے ناراض ہو گئی۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ بیمار ہو گئے اور ایسی کیفیت ہوئی کہ جان نکلتی نہیں تھی۔ علامات ساری سامنے تھیں لیکن اس جان کنی کے عالم میں جان نکل نہیں رہی۔ تکلیف میں ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتہ چلا۔ آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کی والدہ سے کہا: پتہ چلا ہے کہ آپ ان سے خفا ہیں، آپ انہیں معاف کر دیں۔ وہ کہنے لگی: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا دل اتنا دکھا ہوا ہے میں اسے معاف نہیں کرتی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جاؤ لکڑیاں لے کر آؤ! ماں تو اسے معاف کرتی نہیں اور اسے جہنم میں تو جانا ہی ہے تو کیوں نہ اسے یہیں آگ میں ڈال دیں۔

اب صحابہ رضی اللہ عنہم لکڑیاں لینے کے لیے گئے تو ماں ہوتی تو ماں ہے اور اس نے بھی دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سیریس ہیں اور لکڑیاں جمع کروا رہے ہیں تو کہنے لگی: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے کو آگ میں تو نہ جلائیں۔ فرمایا کہ پھر آپ اسے معاف کر دو! ماں نے کہا اچھا میں نے اس بچے کو معاف کر دیا۔

جیسے ہی ماں نے بیٹے کو معاف کر دیا، اس کی روح پرواز کر گئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ نے بچے کی سب غلطیوں کو معاف کر دیا۔

ہم اس ماں کے ساتھ Missbehave (غلط رویہ اختیار) کرتے ہیں۔ ان

کی امیدوں پر ہم پورا نہیں اتر پاتے، جنہوں نے ہمیں محبتیں دیں۔ ہم ان کو اس کے بدلے میں دکھ دیتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے۔ ذرا اور قریب سے دیکھیں۔

بیوی کو زچ کرنے سے بچو:

شریعت نے میاں بیوی کا تعلق بہت قریب کا بتایا ہے۔ میاں بیوی جو زندگی کے ساتھی ہیں، ایک دوسرے کو معمولی باتوں کی وجہ سے دکھ دیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کو انسان نظر انداز کر دیتا ہے۔

مثلاً بیوی کو طعنہ دینا۔ بعض خاوندوں کی یہ عادت ہوتی ہے، کبھی کوئی بھول ہو گئی، کوئی غلطی ہو گئی وہ بھی انسان ہے، بس اس کی چھیڑ بنا لی۔ اس کو زچ کرنے کے طعنہ دینا شروع کر دیے، اسے دوسروں کے سامنے رسوا کیا، اپنے آپ کو بڑا دکھانے کے لیے کہ میرا بڑا رعب ہے، میں نے اپنی بیوی کو کیسے سیدھا کر کے رکھا ہوا ہے۔ ہر ایک کی عزت نفس ہوتی ہے، کسی کو رسوا تو نہیں کرنا چاہیے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن کتنی بار ایسا ہوتا ہے، ذرا سی بات پر بولنا بند کر دینا۔ وہ بیچاری مناتی پھر رہی ہے، منتیں کر رہی ہے، کھانے پکا کے رکھ رہی ہے، وہ کہتے ہیں: نہیں۔ ہمارے اس عمل سے اس کا دل کتنا دکھتا ہے؟ ہم کبھی اس کا اندازہ تو نہیں لگا سکتے، بھئی! وہ بھی تو اللہ کی بندی ہے۔

بسا اوقات مرد حضرات اپنے پیسے کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اپنی بیوی کو سیدھا کرنے کے لیے، خرچے میں تنگی کرتے ہیں، ایک ایک پیسے کو ترس رہی ہے۔ ہر ہر دفعہ اس کو مانگنا پڑتا ہے۔ اب کہنے کو تو چھوٹی سی بات ہے مگر اس طرح ڈاؤن ٹو ارتھ (زمین بوس) کر دینا کہ ضرورت کے لیے وہ خاوند کے ہی پاؤں پکڑے اور مانگتی پھرے، شریعت اس کی تو اجازت نہیں دیتی۔ ہاں یہ فرمایا کہ تم اپنی سہولت کے مطابق جتنی استعداد، طاقت ہو تم اس کو خرچ دیتے رہو۔ یہ رزق تمہیں

بیوی بچوں کی وجہ سے تو ملا ہے، ہو سکتا ہے تمہارے بچے نہ ہوتے تو تمہیں اتنا رزق بھی نہ ملتا تو جن کی وجہ سے رزق ملا انہی کو ہم تنگ کر رہے ہوتے ہیں۔

کئی مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ شادی کے بعد نوجوان اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ کا محتاج بنا دیتے ہیں۔ کیوں؟ آپ کے ماں باپ کے ساتھ یقیناً اس کو محبت کا تعلق رکھنا ہے کہ وہ گھر کی بیٹی ہے۔ مگر ذرا سی بات پہ یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ امی کرے گی۔ اور امی صاحبہ کیونکہ زندگی گزار چکی ہوتی ہیں وہ آنے والی بچی کو کئی مرتبہ اتنا پریشان کرتی ہے۔ کئی مثالیں ایسی ہمارے سامنے آئیں کہ گھر میں وہ بچی بہو فریج کا دروازہ نہیں کھول سکتی۔ اس پر بین (پابندی) ہے۔

جب لاتی ہے تو بڑی محبتوں کا اظہار کر کے لاتی ہے۔ اور جہاں وہ بچی گھر میں قدم رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک سرد جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ تو ساس کو چاہیے کہ وہ بڑی عمر کی ہے احساس کرے۔ اس کی بیٹی اگر کسی کے گھر جائے گی وہاں اگر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟

چنانچہ ہم نے دیکھا جو عورتیں اپنی بہوؤں کو تنگ کرتی ہیں وہ ساتھ اپنی بیٹی کے لیے دعاؤں کا بھی کہہ رہی ہوتی ہے۔ میری بیٹی کے لیے دعا کرو اس کو سسرال نے بڑا تنگ کیا ہوا ہے۔ جو اس نے کسی کی بیٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے دوسرے بھی اس کی بیٹی کے ساتھ ویسا ہی کر رہے ہوتے ہیں مگر انسان اس پر غور نہیں کرتا۔ دیکھتا نہیں ہے کہ میں کر کیا رہا ہوں۔

کئی نوجوان اپنی بیویوں کو ذرا ذرا سی بات پر طلاق کی دھمکی دیتے ہیں اور اس دھمکی کی عادت ہی بنا لیتے ہیں۔ بیوی کے لیے یہ Divorce (طلاق) کا لفظ کوئی چھوٹا سا لفظ نہیں ہوتا۔ اس لفظ کو سن کے اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو اپنا مستقبل بالکل ہوا میں نظر آتا ہے۔ ذرا سی بات پر

سولی پہ لٹکا دیتے ہیں اس کو۔ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ تم ذرا سی بات پہ ایسی دھمکیاں دینا شروع کر دو۔ اگر غور کریں تو مرد کتنے ہی معاملات میں اپنی بیویوں کا دل دکھاتے ہیں۔

بیویاں الجھنے سے بچیں:

اور کچھ بیویاں بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ خاوند ان کی ہر مراد پوری کرتا ہے، اس کا خیال رکھتا ہے، خوش اخلاقی سے رہتا ہے اور وہ خاوند کی امیدوں پہ پانی پھیر دیتی ہے۔ چاہے بچوں کی تربیت ہو گھر کا ماحول ہو یا کوئی ایسی بات ہو۔ ذرا سی بات پہ الجھ پڑنا۔ تو ہم اگر اپنی ذاتی زندگی پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ہم بہت چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایک دوسرے کا دل دکھاتے ہیں۔ کہنے کو زندگی کے ساتھی ہیں مگر ایک دوسرے کو دکھ پہنچاتے ہیں۔

بے اولادی کا طعنہ:

بسا اوقات تو ایسی بات پر دل دکھاتے ہیں کہ دوسروں کے اختیار میں بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ساس بہو کو طعنے دے رہی ہے کہ تیری اولاد نہیں ہوتی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو کیا وہ بے اولاد رہتی؟ یا یہ طعنہ دینا کہ تیرا بیٹا نہیں ہوتا بیٹیاں ہوتی ہیں اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو شاید کوئی عورت بیٹی جننے کی کوشش ہی نہ کرتی۔ مگر نہیں طعنہ دینا ہے۔ اس کا کیا کنٹرول ہے اس کے اوپر کہ بیٹی ہوتی ہے۔ کیا اس کے اختیار میں ہے۔ بلکہ کئی مرتبہ خاوند ہی بیوی کو کہتے ہیں کہ اگر اس مرتبہ بیٹی ہوئی تو تمہیں اپنے گھر سے یہاں نہیں آنا۔ اب بتاؤ! کہنے کو ہم کلمہ گو ہیں اور اللہ کے مسلمان بندے کہلاتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ ہم اپنے ساتھ والے کے دلوں پر کیا کر دیتے ہیں۔

ہمارے بزرگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بہت حسنِ سلوک کی زندگی گزارتے تھے۔حسنِ معاشرت کی زندگی گزارتے تھے۔اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشادفرمایا:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''تم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرز سے زندگی گزارو''

آج اگر کوئی آئی جی صاحب سفارش کر دیں کہ اس کا خیال رکھنا۔ہم بڑے سیدھے ہو جاتے ہیں۔عورتوں کی سفارش اللہ رب العزت نے کی کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔تو ہمیں تو کرنا چاہیے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو دنیا میں اللہ رب العزت کی سفارش کو مانے گا قیامت کے دن اللہ رب العزت اس کے ساتھ بھی خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔

خیر خواہی یہ بھی ہے:

ایک بزرگ تھے۔ان کی بیوی زبان کی ذرا تیز تھی۔وہ اس کو طلاق نہیں دیتے تھے،کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت!جب آپ کے ساتھ یہ اتنی بدتمیزی کر جاتی ہے تو آپ اس کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔تو انہوں نے عجیب جواب دیا،فرمانے لگے: کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔پہلی یہ کہ میں طلاق دوں گا تو پھر یہ آگے نکاح نہیں کر سکے گی،اگر نکاح نہیں کر سکے گی تو ازدواجی زندگی سے محروم زندگی گزارے گی۔گناہ کی مرتکب ہوگی تو بھی جہنم کمائے گی۔

دوسری صورت یہ کہ نکاح کرے گی۔اگر نکاح کرے گی تو جو عادت یہاں ہے یہ عادت وہاں بھی تو ہوگی پھر کسی اور مسلمان کو دکھ دے گی۔تو اس لیے میں اس کو طلاق نہیں دیتا،میں ہی اس کا دکھ برداشت کر لیتا ہوں کہ دوسرے کسی مسلمان کو دکھ دینے کے قابل ہی نہ ہو۔اتنی عجیب اعلیٰ سوچ تھی ان حضرات کی۔چنانچہ اپنی بیویوں

کے ساتھ اچھے اخلاق والی زندگی گزارو۔

اخلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تہجد کی نماز پڑھنی تھی، میں لیٹی ہوئی تھی۔ نبی علیہ السلام بستر سے بہت آہستہ سے اٹھے اور دبے پاؤں چلتے ہوئے باہر نکلے۔ یعنی جوتے نہیں پہنے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جوتے پہنے بغیر جا رہے ہیں، کیوں؟ فرمایا۔ عائشہ میں نے جوتے اس لیے نہیں پہنے کہ میرے جوتوں کی آواز سے تمہاری نیند میں خلل نہ آ جائے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی تھی۔ بیویوں کے ساتھ اتنی محبت سے زندگی گزارتے۔

بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کریں:

علمانے لکھا ہے کہ ایک شخص کی بیوی سے کوئی نقصان ہو گیا۔ وہ چاہتا تو اسے سزا دیتا لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ بیوی کو واقعی اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے کہ میں کوئی غلط Descion (فیصلہ) کر بیٹھی۔ لہٰذا اس بندے نے اس کو اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ نوجوان خود فوت ہوا تو کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے کہا: (پوچھا) سناؤ: آگے کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا اللہ رب العزت کے حضور پیشی ہوئی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: تو نے فلاں موقع پر اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا تھا میں آج تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔ تو ہم اپنے گھر والوں کے ساتھ ایسی پیار و محبت کی زندگی گزاریں اور ان کو اپنے شر سے بچائیں کہ ان کا دل کہے کہ میرا خاوند اتنا اچھا ہے، اتنا نائس ہے کہ ایسا انسان دنیا میں شاید نہ ہو۔ جب بیوی کے دل میں یہ احترام ہو گا تو پھر وہ کیوں نہیں خدمت کرے گی؟ اور کیوں نہیں آپ کی بات کو پورا کرے گی؟ تو اپنی شخصیت کی عظمت کے ساتھ اپنی بیوی کا دل

جیتنے کی کوشش کیجیے۔

قطع کلامی سے بچیں:

ذرا اور قریب جایے۔ کئی بہن بھائیوں کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ ذرا سی بات پہ آپس میں بولنا ختم، دو بھائیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بولنا ختم، ذرا غور کریں تو بھائیوں کا آپس میں عجیب رشتہ ہوتا ہے۔

بھائیوں کا مقام قرآن کی نظر میں:

ذرا توجہ فرمایئے گا: قرآن عظیم الشان سنیے:

⊙......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور حکم فرمایا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ (طٰہٰ:۲۴)

''فرعون کے پاس جاؤ وہ باغی ہوا ہوا ہے''

تو انہوں نے محسوس کیا کہ میں فرعون کی طرف جا رہا ہوں، میں اکیلا ہوں مجھے تو کسی نہ کسی معاون کی ضرورت ہے۔ تو انہیں اپنے معاونت کے لیے کون یاد آیا؟

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۵-۲۸)

دین کا بوجھ اٹھانے کے لیے کس پر نظر پڑی؟ بھائی پر نظر پڑی۔

⊙......دوسری مثال قرآن مجید میں ہے:

قیامت کا دن ہوگا انسان پریشان ہوگا۔ گناہ زیادہ نیکی کم ہوگی۔ چاہے گا کہ مجھے کہیں سے کوئی نیکی مل جائے۔ قرآن نے کہا۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾

''اس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا''

بھائی کا تذکرہ پہلے ہے کہ یا اپنے بھائی کی طرف رجوع کریں۔ تو یہ وہ رشتہ ہے کہ بندے کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑتی ہے اور ہم اس رشتہ کو معمولی بات پر توڑ دیتے ہیں۔ بولنا بند ہو جاتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق:

گھر سے ذرا آگے چلیں تو پڑوسی آجاتے ہیں۔ شریعت نے پڑوسی کے حقوق پر اتنا زور دیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کیلئے اتنی مرتبہ میرے پاس آئے کہ مجھے شک ہونے لگا کہیں بندے کے مرنے کے بعد پڑوسی کو اس کی وراثت میں نہ شامل کرلیا جائے۔ اتنا پڑوسی کے حقوق کی شریعت نے تلقین کی اور ہم انہی پڑوسیوں کو دکھ دیتے ہیں اور انہیں کے ساتھ لڑائیاں جھگڑے ہوتے ہیں۔

◎......حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ ایک آدمی عبادت گزار تھا۔ مگر وہ پڑوسیوں کا دل دکھاتا تھا تو اس کو جہنم میں بھیجا جائے گا اور ایک آدمی جو گنہگار خطا کار تھا مگر پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک رکھتا تھا۔ اس حسنِ سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمادیں گے۔

◎......قیامت کا دن ہوگا۔ ایک بندے کو اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے میرے بندے! میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا ہی نہیں کھلایا۔ وہ بڑا حیران ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی ہی نہیں پلایا اور میں بیمار تھا اور تو نے میری طبع پرسی ہی نہیں کی۔ اس پر وہ بندہ کہے گا۔ اللہ! آپ ان سب چیزوں سے مبرا و اعلیٰ ہیں بھوک، پیاس آپ کو لگ ہی نہیں سکتی آپ کیسے یہ بات فرما رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: فلاں موقع پر تیرا پڑوسی بھوکا اور پیاسا تھا اگر تو اسے کھلا پلا دیتا تو ایسا ہی تھا جیسے تو نے مجھے کھانا کھلایا۔ اور تیرا پڑوسی فلاں موقع پر

بیمار تھا اگر تو نے اس کی طبع پرسی کی ہوتی تو ایسا ہی تھا جیسے تو نے میری طبع پرسی کی۔تب پتہ چلے گا اللہ رب العزت کے ہاں پڑوسی کا کیا مقام ہے؟اس لیے جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اور حقوق کا لحاظ کرتے تھے تو ہمارے پڑوسی ہمارے ساتھ رہنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔

⊙......عبداللہ بن مبارک ؒ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا اس نے کہیں شفٹ ہونا تھا۔اس نے اپنا مکان کرائے پہ لگا دیا۔ایک بندہ آیا اس نے پوچھا کہ آپ کا مکان For Sale (برائے فروخت) ہے؟انہوں نے کہا: ہاں۔کیا پرائس ہوگی؟اس نے کہا: دو ہزار دینار۔وہ کہنے لگا: یہ کیا بات ہوئی؟اس جگہ تو ایک مکان ایک ہزار دینار کا مل جاتا ہے۔یہودی نے کہا: ہاں۔ایک ہزار میرے مکان کی قیمت ہے اور دوسرا ہزار دینار عبداللہ بن مبارک کے پڑوسی ہونے کی قیمت ہے۔ہم جہاں رہتے تھے، ہمارے مکانوں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں۔لوگ ہمارے اچھے برتاؤ پہ اتنا خوش ہوتے تھے۔کیا آج ہم ایسے پڑوسی بن کر زندگی گزار رہے ہیں؟اور اس ذرا آگے چلیے۔

ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ:

ہم دفتر کے کام کرتے ہیں۔فیکٹریوں کے کام کرتے ہیں۔کتنے لوگ ہوتے ہیں جو ہمارے ماتحت ہوتے ہیں۔ہمارا ان کے ساتھ برتاؤ کیسا ہوتا ہے؟ایک ہوتا ہے اصلاح کی خاطر کوئی بات کرنا۔وہ تو اگر کسی کو بری بھی لگے تو بھی کرنی چاہیے۔کیونکہ اصلاح کے لیے کر رہے ہیں،اس کی ضرورت ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے گند نکالنے کیلیے ڈاکٹر آپریشن کر دیتے ہیں۔ان کو تو برا کوئی نہیں کہتا۔بلکہ صحت پانے کے بعد سب اسے فرشی سلام کہہ رہے ہوتے ہیں۔ایک ہوتا ہے کسی کو خواہ مخواہ دکھ دے دینا شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے پردہ فرمانے لگے تو سب سے آخری بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کان لگا کر سنی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: ''التوحید التوحید'' ایک تو آخری موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا پیغام دیا اور فرمایا:

﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾

''اپنے ماتحتوں کے حقوق کا خیال رکھنا''

یوں سمجھیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور تعلیمات کا یہ نچوڑ ہے۔ جو آخری لفظوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانیت کو دے دیے۔ وہ یہ کہ اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔ ہمارے ماتحتوں کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہوتا ہے؟ کیسے ان کے ساتھ، ہم مل کر رہتے ہیں؟ اللہ اکبر کبیرا

نبی علیہ السلام کس کے وکیل بنیں گے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بات ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں ہے ذرا دل کے کانوں سے سننے والی بات ہے۔ فرمایا:

((أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهِ أَنَا حَجِيجُهُ))

''جو اپنے ماتحت پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے یا اس کی خوشی کے بغیر اس سے کچھ لے تو میں قیامت کے دن اس ماتحت کا وکیل بنوں گا اس کو اس بندے سے حق دلواؤں گا''

حدیث پڑھتے ہیں تو دل کانپنے لگ جاتا ہے۔ اب اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت بیوی کے وکیل بنے ہوئے ہوں کہ یہ تمہاری ماتحت تھی اور تم نے اس کو رلایا۔

اور اس کے آنسوں بہتے تھے تمہیں اثر نہیں ہوتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: میں قیامت کے دن تمہارے ماتحتوں کا وکیل بن جاؤں گا اور میں تم سے ان ماتحتوں کو ان کا حق دلوا کر رہوں گا۔ کیا خیال ہے؟ قیامت کے دن ہم اس قابل ہوں گے کہ یہ حق دے سکیں۔

دوسروں کی دل آزاری سے بچیں:

اس سے ذرا اور آگے چلیے۔ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ بس مسلمانوں کی دل آزاری نہیں کرنی بلکہ فرمایا کہ انسانوں کی دل آزاری نہیں کرنی۔ ہیومینٹی گراونڈ کے اوپر ہم خواہ مخواہ کسی بندے کو کیوں تنگ کریں؟ کیوں کسی کا دل دکھائیں؟ چنانچہ:

⊙...... شریعت نے کہا کہ اگر ایک آدمی کا گھر ہے تو اس کے دروازے کے سامنے کا جو حصہ ہے اس کو صاف رکھنا صاحب مکان کی ذمہ داری ہے۔ اب دیکھو! شریعت نے جس کو گھر کے سامنے کے باہر والے راستے کو صاف رکھنے کا حکم دیا وہ صاحب اپنے گھر کو ہی صاف نہیں رکھ پاتے۔ شریعت کہتی ہے کہ گھر والے دروازے کے راستے کو بھی صاف رکھو کہ تمہارے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے کوئی سلپ نہ ہو، ٹھوکر نہ کھائے، کسی کو تکلیف نہ آئے۔ شریعت نے یہاں تک دوسروں کا خیال رکھا۔

⊙...... شریعت نے کہا کہ اگر تم مسجد میں آؤ تو پیاز کچے کھا کر نہ آؤ کیوں؟ تمہارے منہ سے بو آئے گی اور دوسرے کو تکلیف پہنچے گی۔ فرمایا کہ اگر تم مسجد میں آؤ تو اپنا بہترین لباس پہن کر آؤ کہ اگر تم کام والے، پسینے والے اور ڈیزل لگے کپڑے پہن کے آؤ گے تو دوسروں کو تکلیف ہوگی۔

⊙...... شریعت نے کہا کہ جس کو برص کے داغ ہوں وہ اگر گھر میں نماز پڑھ لے گا تو اسے باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ کیونکہ بعض اوقات دوسرے بندے کو اس کا چہرہ (شکل) دیکھ کر طبعی کراہت سی ہوتی ہے۔ تو جو شریعت اس کو یہ کہہ

رہی ہے کہ تم گھر نماز پڑھ لو گے تو تمہیں وہیں با جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ لوگوں کے سامنے مت آؤ۔ اتنی بھی میرے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

اور آج لکھے پڑھے ایم ایس سی پاس ان کو اپنے زکام کو Manage کرنا نہیں آتا۔ لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اپنی ناک کو صاف کرتے ہیں۔ اب دوسرے لوگوں کو کیا Feel (محسوس) ہو رہا ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں کبھی خیال ہی نہیں کیا۔ کیا ہم مجلس سے چند قدم ایک طرف نہیں ہو سکتے؟ وہاں جا کے کھانسی کر لیں، اپنے زکام کو وہاں جا کر صاف کر لیں۔ اتنی اعلیٰ تعلیم نے ہمیں کیا سمجھایا، اس نے کیا فائدہ پہنچایا؟ اس کو تھوڑا اور پھیلائیں تو سبحان اللہ۔

ایسے پرابلم کیوں ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ ہم دوسروں کی رعایت نہیں کرتے۔ ہم نے دیکھا کہ پھاٹک کے اوپر جہاں ٹریفک رکی ہوئی ہے، ایک ایم ایس سی پاس اور ڈبل ایم اے کالج کے پروفیسر تھے۔ اب وہ گاڑی چلا کے آ رہے ہیں اور جہاں انکی لین رکی ہوئی ہے، وہاں سے انہوں نے گاڑی ہٹائی اور دوسری آنے والی لائن میں گاڑی سیدھی جا کے لگا دی۔ اب اگر پھاٹک کھلے گا تو سامنے والی ٹریفک کیسے جائے گی؟ ٹریفک بلاک ہو جائے گی اور ہم اس کو برا بھی نہیں سمجھتے۔ یہ تو ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کا حال ہے اور ان پڑھوں کا تو اس بھی آگے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دوسروں کو دکھانا اور ان کو پریشان کرنا ہماری عادت بن چکی ہے اور ہم اس کے بارے میں سوچتے بھی نہیں۔ شریعت نے اس بات کی تعلیم دی کہ مومن دوسروں کو اپنے شر سے بچائے۔ کوشش یہ کرے کہ دوسرے کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔ بلکہ شریعت نے انسان تو کیا جانوروں کے حقوق کی رعایت کا بھی حکم دیا۔

اکابرین امت میں جذبۂ ہمدردی:

ہمارے اکابر دوسروں کے دکھ کا کتنا خیال کرتے تھے، اس کے بارے میں ذرا

چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمدردی:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لیے آتے ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت خلیفہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کچھ لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں کہ یہ بیوہ عورت ہے، یہ اپاہج ہے، یہ ہینڈی کیپ ہے، اور ان کی خدمت کرنی ضروری ہے۔ جنہوں نے ان کی خدمت کا ذمہ لیا ہوا تھا آگے ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔

کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص دوسرے محتاج کی خدمت کرتا ہے وہ اپنے جسم کی گویا زکوۃ نکال رہا ہوتا ہے۔ ہم تو آج کسی کی خدمت اپنے ذمے ہی نہیں لیتے۔ ماں کی نہیں کرتے، کسی اور کی کیا کرنی؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک بیوہ عورت کا نام لکھا ہوا ہے کہ اس کی خدمت کا کوئی کام ہے مگر آگے جگہ خالی ہے۔ انہوں نے اس کا نام، ایڈریس نوٹ کر لیا۔ اگلے دن فجر کی نماز کے بعد اس کے گھر گئے۔ دستک دی عرض کی اماں! میں خدمت کے لیے آیا ہوں۔ کیا خدمت ہوتی تھی؟ اس کے گھر کے اندر جھاڑو لگا دینا، برتن دھو دینا یا باہر سے پانی بھر کے مٹکوں میں ڈال دینا۔ تاکہ اس بوڑھی عورت کو باہر نہ جانا پڑے۔ اس بوڑھی عورت نے جواب دیا کوئی خدمت کرنے آتا ہے اور وہ یہ سارے کام کر کے جا چکا ہے۔ اب تو مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ فرمانے لگے: اچھا! اب میں فجر سے پہلے آجاؤں گا۔

اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ فجر سے پہلے گئے۔ جا کے پھر دستک دی اور فرمایا کہ میں کام کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا جو آنے والا تھا یہ تو کام کر کے جا چکا پھر انہوں نے اس بڑھیا سے پوچھا اماں! وہ کون ہے؟ وہ کہنے لگی مجھے تو اس کے نام کا نہیں پتہ میں نے تو

اس کی شکل نہیں دیکھی۔وہ آتا ہے،دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، میں پردہ کر لیتی ہوں، وہ یہ سارے کام کر دیتا ہے۔جب وہ جانے لگتا ہے تو پھر دروازہ کھٹکھٹا دیتا ہے، میں باہر آجاتی ہوں۔نہ مجھے نام کا پتہ،نہ اس کی شکل کا پتہ ہے۔وہ بھی عمر بن خطاب تھے فرمانے لگے: اچھا! اب اگلے دن انہوں نے تہجد کی نماز پڑھی اور جا کر راستے میں بیٹھ گئے کہ میں بھی دیکھوں نا وہ کون ہے؟ جو رات کے اندھیرے میں اس بڑھیا کے کام کر کے جاتا ہے۔

انہوں نے دیکھا کہ جب چاروں طرف خاموشی تھی، سب لوگ سوئے ہوئے تھے، بالکل اندھیرا۔اس وقت ایک آدمی آہستہ آہستہ دبے پاؤں چلتا ہوا، اس بڑھیا کے گھر کے قریب آرہا ہے۔تو جب وہ قریب آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔مَنْ اَنْتَ تو کون ہے؟ تو جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔امیر المومنین رات کے اس وقت میں اس بوڑھی کی خدمت کرنے کے لیے آپ آرہے ہیں۔اور دیکھا انہوں نے جوتے بھی نہیں پہنے ہوئے ہیں تو پوچھا: امیر المومنین! کیا آپ نے Intentionaly (ارادۃً) جوتے نہیں پہنے یا جوتے تھے ہی نہیں؟ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جوتے تو تھے مگر چونکہ یہ لوگوں کے سونے کا وقت ہے، اس لیے میں گھر جوتے اتار کے آیا کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی دوسرے مسلمان کی نیند نہ خراب ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہمدردی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اطلاع ملی کہ ایک قافلہ باہر سے آیا ہے اور مدینے کے باہر انہوں نے خیمے لگا لیے ہیں۔تو عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وقت تھا۔انہوں نے مجھے کہا: آؤ اسلم! ذرا دیکھ کے آئیں کہ وہ کس حال میں ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم وہاں گئے، دیکھا کہ ایک عورت ہے، وہ آگ جلا رہی ہے اور اس نے ہنڈیا

کے اندر کچھ ڈالا ہوا ہے، اس کو ہلا رہی ہے۔ اور اس کے دو بچے کبھی روتے ہیں، کبھی چپ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے اور پوچھا تیرے بچوں کا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا: میں کیا بتاؤں؟ میں بیوہ عورت ہوں میرے پاس خرچ کی تنگی ہے میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ میں ان کو کھلا سکوں۔ میں نے لکڑیاں جوڑیں اور آگ جلا دی، پانی چولھے پر چڑھا دیا ہے تاکہ بچے سو جائیں اور میری رات گزر جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو اٹھے اور واپس آئے۔ بیت المال سے ایک بوری آٹے کی لی، کچھ گھی لیا اور اپنے غلام سے کہا: ان کو میری کمر پہ لاد دو۔ اس نے کہا: حضرت! میں ہوں جو سہی خدمت کے لیے۔ فرمایا: اسلم قیامت کے دن میرا بوجھ تو نہیں اٹھائے گا، مجھے ہی اٹھانا پڑے گا۔ بوری اپنے کندھے پر رکھی اور شہر کے باہر تک اس کو اٹھا کر لے کے آئے۔ اس عورت کے سامنے بوری رکھی اور کہا کہ یہ شہد ہے، یہ گھی ہے اور یہ آٹا ہے تم کچھ بناؤ۔ اس نے کہا: ہاں، میں حلوہ سا بنا لیتی ہوں بچوں کو کھلا دوں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اچھا میں آگ جلاتا ہوں۔

اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لکڑیوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ اس کو پھونکیں مار رہے تھے۔ یہ امیر المومنین پھونکیں مار رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد حلوہ سا بن گیا میں نے کہا: امیر المومنین چلیں بچے خود ہی کھا لیں گے۔ فرمایا: نہیں! ابھی میں نہیں جاتا۔ بچوں نے کھانا کھا لیا، کھیلنے لگ گئے، ہنسنے لگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ جب اٹھ کر آنے لگے تو مجھے کہنے لگے: اسلم! تمہیں پتہ ہے میں کیوں بیٹھا رہا؟ وہ کہنے لگے کیوں بیٹھے رہے؟ فرمانے لگے میں نے ان بچوں کو اپنی آنکھوں سے روتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب میں ان کو اپنی آنکھوں سے ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا؟ کہ فلاں بندہ ہماری تکلیف

کی وجہ سے رو رہا ہے، کاش ہم اس کو ہنستا ہوا بھی دیکھ لیں۔ رلانا تو ہمیں یاد ہوتا ہے ہنسانا تو ہمیں یاد نہیں ہوتا اور بات کرو تو ہم سے بڑا مسلمان شاید دنیا میں کوئی نہیں۔ اپنے آپ کو ہم ایسا سمجھتے ہیں۔

میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمدردی:

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ سوچیں کہ وہ تو بڑی ہستیاں تھیں اور ان کے تو اخلاق ہی ایسے تھے کہ اللہ نے قرآن میں تعریف کی ہم آج کل کے لوگ ہیں ہم سے تو کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

قریب کے زمانے میں حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان گزرے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اکابرین میں سے میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کچھ دن ان کے پاس رہا۔ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان کے پاس کھانا کھایا تو انہوں نے مجھے آم بھی کھلائے۔ جب کھانا کھا چکے اور دستر خوان سمیٹنے لگے تو میں نے کہا: حضرت! میں دستر خوان سمیٹ لیتا ہوں۔ فرماتے ہیں: وہ مجھ سے پوچھنے لگے: کیا آپ کو دستر خوان سمیٹنا آتا ہے؟ اب یہ وہ شخصیت تھے جو مفتی بن گئے تھے، تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ اب ایک بندہ جو مفتی بن چکا ہے، وہ اس سے پوچھ رہیں کیا: آپ کو دستر خوان سمیٹنا آتا ہے؟ میں نے کہا: حضرت! آپ بتا دیجیے۔

فرمایا کہ ہاں آؤ! میں تمہیں سکھاتا ہوں۔ یہ جو روٹی کے ٹکڑے ہیں میں ان کو اکٹھا کرتا ہوں اور فلاں جگہ پر ان کو ڈالتا ہوں کیونکہ بلی اور اس قسم کے جاندار اور پرندے یہ روٹی کے ٹکڑے یہاں سے اٹھا کر کھا لیتے ہیں۔ اور دستر خوان کے اوپر چورا (بالکل چھوٹے چھوٹے ذرات) ہوتا ہے۔ میں ان کو اکٹھا کرتا ہوں اور فلاں جگہ پر ڈال دیتا ہوں، کیونکہ وہاں چونٹیاں ہوتی ہیں۔ تو کیڑے مکوڑے ان کو کھا لیتے ہیں۔ اور ہڈیوں کو میں اکٹھا کر لیتا ہوں اور فلاں جگہ ڈھیر پر ہڈیاں ڈالتا ہوں۔ کیونکہ میں

نے کئی دفعہ کتوں کو دیکھا کہ وہ وہاں سے ہڈیوں کو کھا رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ جو آم کے چھلکے ہیں، ان کی گٹھلیوں کو تو میں فلاں جگہ ڈالوں گا کیونکہ گٹھلیاں خشک ہو جائیں گی تو محلے کے بچے گٹھلیوں سے کھیلتے ہیں۔ اور یہ جو چھلکے ہیں ان کو میں ایک جگہ نہیں پھینکتا بلکہ کوئی کہیں کوئی کہیں ڈال دیتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر ایک جگہ پھینک دوں تو ہمسائے کے بچے جب دیکھیں گے تو سوچیں گے کہ کسی نے آم کھائے ہیں۔ یہ غریب لوگ ہیں، ہر ایک کے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو آم کھلائے۔ ان بچوں کے دل میں حسرت ہوتی ہے کہ ہمارے ابو کے پاس بھی اتنے پیسے ہوتے کہ وہ آم لے آتا اور ہم کھاتے۔ تو میں گلیوں میں چل کر ایک ایک چھلکا ڈالتا جاتا ہوں اور اس طرح ان کو بکھیرتا ہوں کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کسی نے آم کھائے ہیں یا نہیں۔

ان کا دستر خوان سمیٹنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا!

ان کے بارے میں یہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ عشا کی نماز پڑھ کر آرہے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ساتھ تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے جوتے اتار دیے اور ہاتھ میں پکڑ کر تھوڑا سا آگے چلے اور تھوڑی دور جا کر جوتے پہن لیے۔ انہوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ جو مکان ہے یہ ایک جسم فروش عورت کا ہے جو کہ غیر مذہب کی ہے۔ (وہ ایسا وقت تھا کہ مسلمان ہندو سب اکٹھے رہتے تھے، ایک محلے میں رہتے تھے) تو فرمانے لگے: جوانی میں اس کے پاس بہت لوگ آتے تھے، اب عمر ڈھل گئی ہے لوگوں کی آمد اس کے پاس کم ہوگئی۔ مجھے عشا کے بعد اس راستے سے گزرنا پڑتا ہے۔ میں قریب آکر جوتے اس لیے اتار دیتا ہوں کہ اس کے دل میں کہیں آس نہ لگے کہ شاید میرا کوئی کسٹمر آیا ہے۔ میں اس آس سے بھی اس کو بچاتا ہوں۔ میں ننگے پاؤں اس کے مکان کے قریب سے گزرتا ہوں اور آگے جا کر جوتے پہن لیتا ہوں۔

جانوروں سے ہمدردی کی تعلیم:

اندازہ لگائیں کہ اللہ والے ایک غیر مسلم جسم فروش عورت کا بھی لحاظ کر لیتے تھے۔ہم تو گھروں میں نمازی، نیک، پردہ دار بیویوں اور بہنوں کا خیال نہیں رکھتے۔ شریعت نے کہا کہ اگر تم گھر میں جانور بھی پالتے ہو تو ان کے حقوق کا بھی خیال رکھو۔چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب" بہار العلم"لکھی کہ اگر آپ نے جانور پالنے ہیں تو ان جانوروں کے کیا حقوق ہیں؟ قربان جائیں شریعت کے حسن پر جس نے جانوروں کے حقوق کے بارے میں بھی ایک مستقل علم دے دیا۔چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:اگر کوئی بندہ کسی جانور کو پالے مثلاً بلی، پرندہ وغیرہ اور اس کے جانور بھوکے رہیں تو اس بندے کا شمار محسنین (نیکوکاروں) میں نہیں ہوگا۔کہ ان کا خیال نہیں رکھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمدردی:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میری اہلیہ نے کہیں جانا تھا رشتہ داروں کے ہاں کسی فنکشن میں۔اس نے گھر میں مرغیاں پالی ہوئی تھیں تو وہ مجھے بتا گئی کہ آپ نے ذرا مرغیوں کو فلاں وقت میں دانے ڈالنے ہیں۔اور میں نے اس کو کہہ دیا بہت اچھا۔لیکن میرا چونکہ روز کا کام نہیں تھا مجھے بھول گیا۔کہتے ہیں کہ میں اس دوران تفسیر بیان القرآن لکھ رہا تھا۔میں روزانہ تفسیر لکھتا تھا۔اب جب میں تفسیر لکھنے بیٹھا تو میرے ذہن میں کوئی مضمون ہی نہیں آرہا، بڑا سوچا، بڑی اللہ توبہ کی ۔لیکن ذہن میں کوئی مضمون آتا ہی نہیں تھا۔میں سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی اس کی وجہ ہوگی ۔جب میں نے بیٹھ کر سوچا تو یاد آیا کہ او ہو مرغیوں کو تو صبح دانہ ڈالنا تھا اور دوپہر ہو گئی تھی اور مرغیاں بھوکی تھیں۔کہتے ہیں کہ فوراً میں مصلے سے اٹھ کر آیا اور اپنی مرغیوں کو

دانہ ڈالا جیسے ہی واپس جا کر بیٹھا فوراً میرے ذہن میں تفسیر کے مضامین آنے شروع ہو گئے۔

ایک زانیہ عورت میں ہمدردی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کی زانیہ عورت تھی۔ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا جس کی وجہ سے اللہ رب العزت اس کی بخشش کر دی۔

ایک محدث کی ہمدردی:

ایک محدث کے بارے میں ایک واقعہ آتا ہے کہ جب وہ فوت ہوئے۔ وہ خواب میں کسی کو نظر آئے۔ پوچھا: بتاؤ جی کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگے اللہ نے ایک ایسے عمل پہ میری مغفرت فرما دی کہ جو مجھے یاد ہی نہیں تھا۔ پوچھا وہ کون سا عمل؟ اس نے کہا میں ایک دفعہ لکھ رہا تھا، میں نے جونہی قلم پر سیاہی لگائی لکھنے کے لیے تو اس پر ایک مکھی آ کر بیٹھ گئی تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں یہ مکھی پیاسی تو نہیں۔ میں اپنے قلم کو ایک سیکنڈ کے لیے روکا تو وہ مکھی اڑ گئی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا تو نے میری ایک مخلوق کی پیاس کا اتنا خیال رکھا۔ جا جہنم کی پیاس سے تجھے آزاد کر دیا۔ مکھی کی پیاس کا خیال رکھنے پر اگر مغفرت ہوتی ہے تو اگر کسی اللہ کے بندے اور بندی کا خیال رکھیں گے تو اللہ رب العزت کا ہمارے ساتھ کیسا معاملہ ہوگا؟ اور آج ہم اس چیز کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ الا ما شا اللہ لہٰذا اگر ہم خیال رکھیں کہ ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو ہمارا معاشرہ بہشت کا نمونہ بن جائے۔ کیوں؟ بزرگوں نے لکھا ہے"

بہشتاں جا کہ آزارا باشد
کسے را با کسے کار یراں باشد

بہشت وہ جگہ ہے جہاں تکلیف نہیں ہوگی۔ کسی بندے کو کسی دوسرے سے کوئی

گلہ نہیں ہوگا۔

دین اسلام تو ہمیں دنیا میں ایسی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں دنیا میں جنت کے مزے آجائیں۔ کہنے والے نے کہا: ؎

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کچھ ڈھیندا اے

پر کسے دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا اے

رب دلوں میں رہتا ہے اور ہم سب سے پہلا کام ہی یہی کرتے ہیں۔ تو دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں دوسروں کی دل آزاری سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حقوق معاف کروانے کا طریقہ:

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو کسی کو دکھ بھی نہ دیا کریں، کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو اس کی برائی بھی نہ کیا کریں۔ کسی کے دل کو خوش بھی نہیں کر سکتے تو اس کے دل کو دکھ بھی نہ دیا کریں۔ قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا۔ یاد رکھیں! آج زبان سے الفاظ کہہ دینا بہت آسان ہے، کل قیامت کے دن جب اللہ رب العزت جلال میں ہوں گے۔ انبیا بھی تھراتے ہوں گے اس وقت اگر اللہ رب العزت نے پوچھ لیا کہ بتاؤ تم نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا؟ فلاں کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ تو کیا ہم جواب دے پائیں گے؟ شاید وہاں ہمارے لیے کوئی مشکل بن جائے۔ اس لیے اچھا انسان وہ ہے جو دنیا میں اپنے معاملات کو سمیٹ لے۔

آج کیا ہوتا ہے؟ اگر کوئی فوت ہو جائے تو جنازے کے بعد اس کے وارثوں میں سے کوئی کہتا ہے: اوجی! میت ہے اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو وہ اس کو معاف کر دیں۔ بھئی جس کی دل آزاری ہوئی ہوگی، کیا وہ جنازہ پڑھنے آئے ہوئے ہوں گے؟ پہلی بات تو یہی بتائیں۔ اور اگر آئے بھی ہوں تو ایب جو اعلان ہو رہا

ہے تو اس نے زندگی میں معافی کیوں نہ مانگ لی۔ تو بجائے اس کے ہمارے مرنے کے بعد اعلان ہو، اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم خود ہی دوسرے سے معافی مانگ لیں۔

چنانچہ شریعت نے اس کا اچھا طریقہ بتایا۔ اگر آپ کسی سے ملیں تو آپ اسے یوں کہیں کہ بھئی آپ کے میرے اوپر آپ کے بہت حقوق تھے۔ میں کمزور ہوں، حقوق پورے نہیں کر سکا، کوئی کمی بیشی ہو تو آپ معاف کر دیجیے۔ یہ عادت بنا لیں۔ حتیٰ کہ بیوی خاوند سے معافی مانگ لے اور خاوند بیوی سے معافی مانگ لے، بھائی بھائی سے معافی مانگ لے، دوست دوست سے معافی مانگ لے۔

ہمارے ایک مہربان تھے۔ ماشاء اللہ ان کی عادت ہی یہی تھی۔ جب بھی کسی سے ملتے تھے اپنی گفتگو کے آخر پر یہی کہتے تھے۔ آپ کے میرے اوپر بڑے حقوق تھے میں کمزور بندہ پورے نہ کر سکا جو بھی کمی کوتاہی رہ گئی ہو تو معاف کر دینا۔ ہم بھی یہی کلمات کہہ دیا کریں۔ اگر دوسرا بندہ مسکرا پڑا یا کہہ دیا کوئی بات نہیں تو اس کے سارے حقوق اس پر معاف ہو گئے۔ اتنا آسان کام ہے۔ ہم اس کو عادت بنا سکتے ہیں۔ اور ہم یہ سمجھیں کہ جن کے ہم نے دل دکھائے ہیں ان سے ہم ضرور ہی معافی مانگ لیں، ورنہ کل قیامت کے دن اگر کسی نے گریبان پکڑ لیا تو پھر جواب دینا وہاں مشکل ہو جائے گا۔ آج وقت ہے ہم اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی اس تعلیم کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔

میں اب بات کو سمیٹتا ہوں۔ ذرا توجہ فرمائیے گا۔ زمانۂ طالب علمی کی بات ہے۔ ایک دوست کلاس فیلو تھا۔ دیہات سے شہر میں سکول آتا تھا۔ یہ وہ عمر تھی جس میں ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ دیہات کیسا ہوتا ہے؟ کیا ہوتا ہے؟ یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ گندم پودے پہ لگتی ہے یا درخت پہ لگتی ہے۔ تو ہم اس دوست سے کبھی کبھی دیہات

کی باتیں پوچھتے تھے کہ دیہات کیا ہوتا ہے؟ ایک دن وہ کہنے لگا: گرمیوں کی چھٹیاں ہو رہی ہیں آپ ایک دو دن ہمارے مہمان بنیں، ہمارے پاس آئیں، ہم آپ کو دیہات کی سیر کروائیں گے۔ خیر ہم نے اپنی امی کو بتایا، انہوں نے کہا: ٹھیک ہے بھائی کے ساتھ چلے جانا۔ اس چھوٹی عمر میں دو دن کے لیے اس کے پاس دیہات میں جانا ہوا۔

وہاں پر وہ ہمیں فصلیں دکھانے کے لیے لے کر نکلا۔ ہم دیکھ رہے تھے، بینگن کیسے لگتے ہیں؟ مولیاں کیسے لگتی ہیں؟ گاجریں کہاں ہوتی ہیں؟ اتنے میں ہم نے ایک کھیت کے اندر کیا دیکھا کہ گوبر کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اب وہ عمر ہی ایسی تھی میں نے اس سے پوچھا: یار یہ انہوں نے گوبرا کٹھا کیا ہوا ہے، یہ تو گند ہے نجاست ہے، یہ کیوں اکٹھا کر کے رکھا ہوا ہے؟ اس نے کہا: کہ کھیت میں ملائیں گے۔ یہ مجھے اور عجیب بات لگی کہ ان کھیتوں میں تو سبزیاں لگائی ہیں اور یہ ان کھیتوں میں گوبر ڈالے گا، مجھے بہت برا لگا۔ اس نے کہا: یہ ایک کسان ہے، اس کی افادیت اس سے پوچھ لو۔ تو میں نے کسان سے جا کر پوچھا: انکل یہ گوبر آپ کھیت میں ڈالتے ہیں، اس میں تو گاجریں لگتی ہیں۔ اس نے کہا: بیٹے! آپ کو پتہ نہیں میرے لیے یہ **Organic Fertilizer** (قدرتی کھاد) ہے۔ میں جب اس کو کھیت میں ڈالتا ہوں تو اس کھیت کی سبزی کو نیوٹریشن اچھی ملتی ہے تو میری ان چیزوں کی کوالٹی اچھی ہو جاتی ہے، ٹیسٹ اچھا ہو جاتا ہے۔ اس کا سائز بڑھ جاتا ہے۔ خیر اس عمر میں، میں اس بارے میں سمجھ تو نہ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ لیکن اب اِس عمر میں جب کبھی میں اس بات کو سوچتا ہوں۔ تب یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ خیال دل میں آتا ہے، اے انسان! جسے ہم پاخانہ کہتے ہیں، گوبر کہتے ہیں، بدبودار سمجھتے ہیں اس کو اگر کسی کھیت میں ڈال دیا جائے تو وہ بھی اس کھیت کی سبزی کو فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ اور ہم اگر انسان ہو کر اپنے

ساتھ والے بندے کو فائدہ نہ پہنچا سکیں تو پھر ہم اس گوبر اور گند سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ اللہ رب العزت ہمیں صحیح معنوں میں ایک اچھا انسان بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم نیت کر لیں کہ آج کے بعد ہم نے کسی کا دل نہیں دکھانا تاکہ قیامت کے دن ہمارا کوئی گریبان نہ پکڑ پائے۔ اللہ تعالیٰ جو ہم سے پہلے کوتاہیاں ہوئیں ان کو معاف کر دے۔ اور آئندہ ایک اچھا انسان بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے

﴿الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾

(الاحزاب:۳۰)

وجودِ باری تعالیٰ

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

آج کے زمانے کے دہریے چونکہ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود دہریے ہیں۔ اس لیے ان کی وجہ سے بہت فساد پھیلا ہے۔ انہوں نے ایسے ایسے سوال تیار کیے ہوتے ہیں کہ عام نوجوانوں کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا۔ جب وہ سوال پوچھتے ہیں تو یہ بیچارے کنفیوز (پریشان) ہو جاتے ہیں۔ یہ ایمان کا معاملہ ہے۔ جتنا پختہ ہوگا اتنا اچھا ہے۔ ذرا سا شک بھی ایمان کے اندر فساد مچا دیتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعا مانگی تو شرک سے پہلے شک سے بچنے کی دعا مانگی۔

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَ الشِّرْکِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ))

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

وجودِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿اَلَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طٰہٰ:۵۰)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

شک سے بچنے کی تعلیم:

آج کی اس محفل میں وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں چند باتیں آپ کے گوش گزار کرنی ہیں۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ آج کل نوجوانوں کا ذہن خراب کیا جا رہا ہے، یونیورسٹی کالجوں میں ان کو سائنس کی ایسی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں کہ جن سے وہ دین کے معاملے میں شک میں پڑ جاتے ہیں۔ یہ شک انسان کے ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے جب فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ تو پہلے فرمایا لَا رَيْبَ فِيْهِ پھر فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ تو شک کی جڑیں پہلے کاٹیں۔ اب جس نوجوان کے دل میں شک ہو کہ جی پتہ نہیں کیا ہے؟ اور کیا نہیں؟ وہ کیا عبادت کرے گا؟ وہ کیا اللہ تعالیٰ کی معرفت پائے گا؟

آج کے زمانے کے دہریے چونکہ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود دہریے ہیں۔ اس لیے ان کی وجہ سے بہت فساد پھیلتا ہے۔ انہوں نے ایسے ایسے سوال تیار کیے ہوتے ہیں کہ عام نوجوانوں کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا۔ جب وہ سوال پوچھتے

ہیں تو یہ بیچارے کنفیوز (پریشان) ہو جاتے ہیں۔ یہ ایمان کا معاملہ ہے۔ جتنا پختہ ہوگا اتنا اچھا ہے۔ ذرا سا شک بھی ایمان کے اندر فساد مچا دیتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جب دعا مانگی تو شرک سے پہلے شک سے بچنے کی دعا مانگی۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ))

دہریوں کو لاجواب کرنے والے سوالات:

آج کل لوگ بڑے آرام سے شک میں آجاتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جب لوگ دہریت کے سوال پوچھتے تھے تو ان کے جواب اس دور کے زمانے کے مطابق تھے۔ آج چونکہ سائنسی تحقیقات سامنے آچکی ہیں اس لیے وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے سائنس کو بنیاد بناتے ہیں۔...... آپ ایک نکتہ ذہن میں رکھ لیجیے کہ جب کوئی بندہ آپ سے اللہ رب العزت کے وجود کے بارے میں بات کرے تو سب سے پہلی بات آپ یہ پوچھیں کہ یہ کائنات کیسے بنی؟ ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ Question آپ ان سے پوچھیں کہ یہ کائنات کیسے بنی؟ تو جیسے ہی آپ سوال پوچھیں گے فوراً آپ کو جواب ملے گا کہ مادہ تھا، اچانک ایک دھماکہ ہوا جس کو یہ سائنس کی زبان میں Big Bang Theory کہتے ہیں۔ اچانک دھماکہ ہوا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سب کائنات وجود میں آ گئی۔

وہ جب بھی یہ بات کریں تو آپ اس کو شروع سے ہی پکڑیں کہ یہ کیوں مفروضہ پیش کر رہے ہو کہ مادہ تھا؟ یہ کیوں مانتے ہو؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا۔ اگر آپ نے یہ بات مان لی کہ دھماکہ ہوا تو اس کے بعد اس کے پاس سائنسی ثبوت ایسے ہوں گے کہ وہ آپ کو ہلنے نہیں دے گا۔ اس لیے آپ ان کو پہلے قدم پر پکڑیں۔ جیسے ہی کہیں کہ مادہ تھا تو کہیں کیوں فرض کر رہے ہو کہ مادہ تھا؟ ہم اگر کہہ

دیں کہ شروع سے اللہ تعالیٰ تھے اور انہوں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہمارے اوپر اعتراض کہ جی اللہ کو کیوں مانتے ہیں۔ اور خود بات شروع کرتے ہیں تو مادے سے شروع کرتے ہیں۔ تمہارا مادہ اندھا بھی، بہرہ بھی۔ ہمارا خدا سننے والا، دیکھنے والا، زندگی والا بھی تو فرق دیکھیں دونوں میں کتنا زیادہ ہے؟

تو جب بھی ہو تو پہلا سوال یہ پوچھیں کہ کائنات کیسے پیدا ہوئی؟ تو وہ شروع اسی سے کرے گا کہ Matter (مادہ) موجود تھا اور اسی سائیڈ پہ اس کو پکڑ لو کہ کیوں کہہ رہے ہو کہ مادہ موجود تھا؟ یہ ان کا سب سے کمزور پوائنٹ ہے۔ اگر آپ نے اس پوائنٹ کو نہ پکڑا تو پھر وہ سائنسی وضاحتیں پیش کرتا پھرے گا اور آپ پریشان ہو جائیں گے تو اس لیے پہلے قدم پر اس سے یہ پوچھیں کہ یہ کائنات کیسے بنی؟ اور اسی نکتے پہ اس کو پکڑ لیں تو اس کے پاس آگے کرنے کے لیے کوئی بات نہیں ہوگی۔

یہ لوگ عام طور پر ایک Question کرتے ہیں۔ جیسے میں نے آپ کو بتایا کہ آپ اس سے Question کریں انہوں نے بھی Question بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔

...... عام طور پر سائنس پڑھنے والے کہتے ہیں کہ جی ہم تو دیکھ کر مانتے ہیں، سائنس دیکھ کر مانتی ہے، خیالی باتوں کو نہیں مانتی۔ تو اگر خدا ہے تو ہمیں دکھا دو کہ کہاں ہے؟ جب یہ Question کریں کہ دکھا دو کہ خدا کہاں ہے؟ اس کی شکل کیسی؟ اس کا رنگ کیسا؟ ہم تو دیکھ کر مانیں گے۔ تو اس کے جواب میں اس کو ہمیشہ ایک بات کہیے کہ انسان زندہ ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا زندہ ہے۔ یہ زندہ روح کی وجہ سے ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا روح کی وجہ سے۔ تو آپ اس سے کہیں کہ ہمیں روح دکھا دو کہ وہ کہاں ہے؟ بہت سادہ سا سوال اور بڑا سادہ سا جواب ہے اس کا۔ اس کو کہو کہ ایک زندہ آدمی لیٹا پڑا ہے اور ایک مردہ آدمی لیٹا پڑا ہے تو ظاہر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

جو چیز نکل گئی اس کا رنگ بھی نظر نہیں آتا۔ پکڑ بھی نہیں سکتے تو وہ روح کو بن دیکھے مانتے ہیں۔ اگر روح انسان کے جسم کے قیام کا سبب ہے تو اللہ رب العزت کی ذات بھی اس ساری کائنات کے قیام کا سبب ہے۔ یہ بن دیکھے روح کو مانتے ہیں ہم بھی بن دیکھے خدا کو مانتے ہیں۔

تو جب یہ کہیں نا کہ ہم تو دیکھ کر مانتے ہیں تو یہ جھوٹ بول رہے ہوں گے۔ لیکن چونکہ سامنے والے کو پتہ نہیں ہوتا کہ ان کو پکڑنا کہاں پہ ہے؟ اس لیے پھر ہمارے نوجوان شک میں پڑ جاتے ہیں۔ تو وہ دیکھنے کی بات کریں آپ اس سے پوچھیں ہر چیز نظر تو نہیں آتی نا، کچھ چیزیں محسوس بھی تو ہوتی ہیں۔

اچھا ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھے درد ہے کبھی کسی کو درد نظر آئی ؟ چھوٹی ؟ بڑی ؟ لمبی ؟ چوڑی ؟ کسی نے درد دیکھا ہو جاتا ہوا یا آتا ہوا؟ مانتے سب ہیں۔ تو درد کو کیوں مانتے ہیں؟ اس لیے کہ جسم گواہی دے رہا ہوتا ہے۔ ہم بھی اسی طرح خدا کو مانتے ہیں کہ ہمارا دل گواہی دے رہا ہوتا ہے، درد نظر نہیں آتا مگر موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح پروردگارِ عالم بھی نظر نہیں آتے مگر موجود ہوتے ہیں۔

...... ایک سوال جس کا جواب کبھی بھی نہیں دے سکتے وہ یہ کہ، ان سے پوچھا جائے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے جانوروں کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، پرندوں کا انڈوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کو انڈوں میں اور ماں کے پیٹ میں فطری ہدایت کون دیتا ہے؟ فطری ہدایت کا کیا مطلب؟ کہ ہر چیز کو زندگی گزارنے کا اللہ نے طریقہ بتا دیا۔ مثال سن لیجیے:

دو انڈے ہیں: ایک بطخ کا اور ایک مرغی کا۔ دونوں انڈوں کو آپ بطخ کے نیچے رکھ دیں تو چند دنوں کے بعد ان میں سے بچے نکل آئیں گے۔ بطخ کے بچے کو اٹھا کر پانی میں پھینکیں تو وہ تیرنے لگ جائے گا اور مرغی کے بچے کو اٹھا کر پھینکیں گے تو وہ

ڈوب جائے گا۔ کیوں؟ مرغی خشکی کا پرندہ ہے اور بطخ پانی کا۔ جو جہاں زندگی گزارنے والا تھا اس کو اللہ نے اس کے متعلق فطری ہدایت دے دی۔ تو یہ فرق کیوں ہے؟ دیکھنے میں تو انڈے ایک جیسے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ:۵۰)

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اسے ہدایت عطا فرمائی''

مکڑی کا بچہ جیسے ہی پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد جالا بننا شروع کر دیتا ہے۔ اگر انسان عقل استعمال کر کے سوچے کہ اس بچے کو ماں کے پیٹ میں جالا بننا کس نے سکھایا؟

مخلوقاتِ عالم اور فطری ہدایت:

تو یہ چیزیں اللہ رب العزت کے وجود کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسی ذات ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور جس کو جو ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی فطری ہدایت بھی عطا فرما دی۔ مچھلی نے کبھی تیرنا سیکھا؟ اس لیے کہ پانی میں اس کی زندگی گزرنی تھی جو نیا بچہ مچھلی کا پیدا ہوتا ہے وہ تیرنا جانتا ہے۔ جو بچہ پرندے کا پیدا ہوتا ہے وہ اڑنا جانتا ہے۔ ہم لوگ تو ڈرائیور سے کئی کئی مہینے گاڑی چلانا سیکھتے ہیں اور وہ بھی کہیں نہ کہیں ڈینٹ ڈال کے سیکھتے ہیں تو اگر پرندوں کو بھی اڑنا اسی طرح سیکھنا پڑتا جس طرح ہمارے پائلٹ جہاز اڑانا سیکھتے ہیں تو ان بیچاروں کا کیا بنتا؟ پروردگار عالم نے ان کو فطری ہدایت عطا فرما دی یہ فطری ہدایت اللہ رب العزت نے عطا کی ہے۔

قرآن مجید میں قدرت کی نشانیاں:

قرآن مجید سے پوچھیں تو ایک آیت قرآن مجید کی ایسی ہے کہ بات اس میں

صاف کردی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین کرنے والے لوگوں کے لیے تمہارے اپنے اندر بھی تم بصیرت رکھتے ہو۔

آفاق میں قدرت کی نشانیاں:

انسان اگر باہر دیکھے تو بھی اسے اللہ کی نشانیاں ملتی ہیں۔

مثال کے طور پر:

⊙......سورج کا زمین سے جتنا فاصلہ ہے اگر آدھا فاصلہ ہوتا تو زمین کے اوپر کوئی سبزہ باقی نہ رہ سکتا۔ اتنی گرمی ہو جاتی اور اگر دگنا ہوتا جتنا اس وقت ہے تو زمین پہ کوئی فصل پک ہی نہ سکتی ہر وقت برف جمی رہتی۔ وہ کون سی ذات ہے جس نے سورج کا فاصلہ زمین سے اتنا رکھا کہ ہمارے پھل بھی پکتے رہیں، سبزیاں بھی پکتی رہیں، سورج کی دھوپ سے نباتات نے جو حصہ حاصل کرنا ہے وہ آسانی کے ساتھ حاصل کر لیتے ہیں۔

⊙......زمین اپنے محور کے گرد ایک ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے گھومتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گاڑی جو ہوتی ہے نا اس کے کئی مرتبہ جو پہیے ہوتے ہیں وہ غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔ تو گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمی کو محسوس ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ بھئی آپ اپنے پہیے کو ٹھیک کرا لیں تو وہ وہیل بیلنسنگ کرواتے ہیں۔ جو گاڑی بھاگے سو میل کے فاصلے سے اس میں چند گراموں کے وزن کا فرق آجائے تو اتنا ہلتی ہے اور زمین تو بھاگ رہی ہے 1000 میل فی گھنٹہ کے حساب سے اس کی بیلنسنگ کتنی پرفیکٹ ہوگی۔ کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟ سوچ سکتا ہے کوئی؟ ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ زمین چل بھی رہی ہے یا نہیں؟ تو کس ذات نے اس زمین کو اتنا پرفیکٹ

Balance کیا؟ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔

ڈارون تھیوری کا کھوکھلا پن:

دہریے عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ مخلوق خود بخود پیدا ہوگئی۔ ایک تھیوری ہے جس کا نام ہے Evolution Theory (ایوولیوشن تھیوری) اب تو خیر اس کو سائنسدانوں نے خود ہی Reject کر دیا ہے۔ ہمارا کام انہوں نے کر دیا لیکن کسی زمانے میں یہ ڈارون تھیوری کی بہت پذیرائی ہوئی تھی۔ یہ کیا چیز ہے؟

وہ کہتے ہیں کہ پانی تھا۔ مچھلی بنی۔ مچھلی سے اوپر چلتے چلتے بالآخر بندر بنا اور پھر بندر سے انسان بنا یہ ان کی Logic ہے۔ اس کو ایوولیوشن تھیوری کہتے ہیں۔

ہر دہریہ آپ کو یہ جواب دے گا لیکن اس میں دو باتیں بڑی اہم ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ایک Stage (مرحلہ) سے دوسری Stage (مرحلہ) کا جو جاندار بنا تو ہزاروں سال لگے اور ہزاروں سال کے بعد اگلا جانور بنا۔ ہزاروں سال کی بات کرتے ہیں لیکن جب بندر سے انسان بنا تو کہتے ہیں وہ بس تھوڑے سے وقت میں بن گیا، تو ان سے ایک Question پوچھنا ضروری ہوتا ہے کہ انسان کے جسم کے باقی اعضاء کا بننا آسان ہے مگر دماغ کا بننا سب سے مشکل ہے۔ انسان کے جسم میں سب سے زیادہ Complicated (پیچیدہ) چیز اس کا دماغ ہے، جس نے پورے جسم پر کنٹرول کرنا ہے۔

اب باقی اعضا کے وجود میں آنے میں تو ٹائم بہت سارا لگا۔ اور کہتے ہیں عقل کے بننے میں ٹائم بہت تھوڑا لگا۔ تو آپ یہ بات ان سے پوچھا کریں کہ یہ بتاؤ بھائی! انسان کی عقل جو سب سے زیادہ Complicated (پیچیدہ) ہے اس میں تو بہت زیادہ وقت لگنا چاہیے تھا۔ لیکن کہتے ہیں کہ جی وہ بس تھوڑی دیر میں بن گئی۔ آپ ان سے پوچھیں تو یہ درمیان میں ایک بات کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جی Missing

Link ہے۔ یعنی جب یہ تفصیل پیش کرتے ہیں کہ اس سے یہ بنا اس سے وہ بنا۔ اس سے یہ بنا اب بندر سے انسان بنا تو درمیان میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں Missing Link ہے۔ Missing Link کے بغیر ان کا کام چل ہی نہیں سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے بتلا دیا کہ بندر سے انسان نہیں بنے بلکہ انسانوں کو جب بگاڑ دیا گیا شکلیں مسخ کر دی گئیں تو اللہ نے ان کو بندر بنا دیا۔

اب دیکھو چودہ سو سال پہلے تو اس تھیوری کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ اس وقت یہ کیوں نہیں کہا گیا کہ انسانوں کو ہاتھی بنا دیا یا گدھا بنا دیا۔ یا انسانوں کو بیل بنا دیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان سے ناراض ہوئے ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ ہم نے کہا ہو جاؤ پھٹکارے ہوتے بندر۔

جس سائنسی نکتہ نظر سے یہ دیکھتے ہیں کہ انسان اور بندر کے درمیان کچھ چیزیں Common (مشترک) ہیں۔ اور Common تو ہوتی ہیں۔ دیکھو بھئی! انسان جب بگڑے گا تو بگڑ کے جو کچھ بنے گا، کچھ نہ کچھ تو اس کی اور اس کی نسبت رہے گی نا آپس میں۔

تو قرآن مجید میں تو پہلے بتا دیا کہ بندر انسان نہیں بنا بلکہ اللہ رب العزت نے نافرمان انسانوں کو بندر بنا دیا۔

قانون قدرت اور اس کا کمال:

آج کل اکثر لوگ یہ بات کرتے ہیں کہ جی اب تو سائنس اتنی Advance ہو گئی ہے کہ آپ اگر جا کر ڈاکٹروں سے کہیں مجھے بیٹا چاہیے تو وہ آپ کو بیٹا دیں گے۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس میں سائنسدانوں کا کیا کمال؟ انہوں نے کیا کیا؟ اللہ رب العزت کا جو بنایا ہوا نظام ہے۔ اس کو Study کیا کہ بیٹے کی ولادت کیسے ہوتی ہے اور بیٹی کی ولادت کیسے ہوتی ہے؟ اور اس نظام کو Study کرنے کے بعد جو بیٹے کو

بنانے کا نظام تھا اس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں اور بالآخر انسان کو بیٹا ملتا ہے تو اس صورت حال میں ہمیشہ ایک بات ان کو یہ کہیں کہ بھئی! اللہ رب العزت کے قانون کو Study کر کے اس کے مطابق کوئی چیز بنا لینا، یہ اللہ کا کمال ہے، تمہارا نہیں ہے۔ ہم تو تب مانیں گے جب ان قوانین کو ایک طرف رکھ کے اپنے قانون بناؤ اور اس کے مطابق کوئی چیز بنا کے دکھاؤ، بات سمجھ گئے نا جی؟ اگر قانون خداوندی ہی کو استعمال کرنا ہے تو تمہارا کیا کمال ہے۔ہم تو تب مانیں گے کہ اگر ان قوانین کو ایک طرف کر دیں اپنا کوئی قانون بنائیں۔اور اس کے مطابق خود بچہ بنا کے دکھائیں۔

ویسے ہی دنیا میں کئی چیزیں انسان بن دیکھے مان لیتا ہے۔ کچھ لوگ چاند سے ہو کر آئے، دنیا مان ہی لیتی ہے ناں؟ چاند سے ہو کر آئے وہ ان کے ساتھ تو نہیں گئے ہوتے، تو بن دیکھے بھی انسان گواہی دیتا ہے۔

ایک دہریے کی سرزنش:

مجھے ایک شہر میں جانا پڑا تو وہاں ایک وکیل تھا وہ دہریہ تھا۔ اس کے والد اس کو لے آئے۔ خیر کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔ وہ کہنے لگا جی میں تو بن دیکھے کوئی چیز نہیں جانتا ہمیشہ دیکھ کے مانتا ہوں۔ اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تو جب میں نے دیکھا کہ یہ سمجھنے کو تیار نہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ ٹیڑھی سے کھیر نکلے گی۔ میں نے کہا پکی بات ہے کہ بن دیکھے کسی چیز کو نہیں مانتے؟ کہتا نہیں جی میں نہیں مانتا۔ میں نے اسے خوب پکا کر لیا۔ پکا کرنے کے بعد میں نے کہا: یہ آپ کے ساتھ کون بیٹھے ہیں؟ کہنے لگا: جی! یہ میرے والد گرامی ہیں۔ میں نے کہا: اس کو جو والد سمجھتے ہو تو دیکھ کے مانا ہے یا بن دیکھے مانا ہے؟ اب اس کے والد صاحب بھی اس پر گرم ہو گئے کہ دیکھا تو بڑا منحوس ہے۔ اس کو بڑی مصیبت پیش آئی میں نے کہا کہ آپ نے کوئی والدہ سے Proof (ثبوت) مانگا تھا؟ ماں نے کہہ دیا کہ بیٹا یہ

تمہارے ابو ہیں اور ہم نے مان لیا۔ اور ساری زندگی اپنے والد کی جگہ پر ان کا نام لکھتے آئے۔ تو دنیا میں کئی چیزیں انسان بن دیکھے کسی کی گواہی پہ مان لیتا ہے۔

اگر ہم نے ماں کی گواہی دینے پر اپنے والد کو مان لیا تو پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی پہ اللہ کے وجود کو کیوں نہیں مانتے؟ ہماری ماں تو جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ انسان ہے لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق اور امین تھے۔

کارخانہ قدرت کو سمجھنے کا حکم:

اسلام وہ دین ہے جو انسان کو آنکھیں کھول کر ادھر ادھر عبرت کی نظر ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا﴾ (العنکبوت: ۲۰)

زمین میں سیر کرو اور دیکھو عبرت کی نظر سے۔

اور فرمایا:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ (الغاشیہ: ۱۷)

کیوں نہیں یہ غور کرتے کہ اس اونٹ کو کیسے پیدا کیا گیا ہے؟

تو اسلام تو خود چاہتا ہے کہ لوگ عبرت کی نظر ڈالیں اور اس کارخانہ قدرت کے نظام کو سمجھیں۔

بالوں کے اگنے میں قدرت کی جلوہ آرائی:

اللہ رب العزت کے وجود کی اتنی دلیلیں آپ ان کو دے دیں جو کہتے ہیں کہ جی خود بخود پیدا ہوا۔ پھر خود بخود کا قانون تو ایک جیسا ہونا چاہیے اگر انسان خود بخود بنا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے جسم پر جہاں بھی بال ہیں ان بالوں کے بڑھنے کی رفتار ایک جیسی ہونی چاہیے، لیکن

......داڑھی کے بال اور رفتار سے بڑھتے ہیں

......سر کے بال اور رفتار سے بڑھتے ہیں

......پلکوں کے بال اور رفتار سے

......انسان کی بھنوؤں کے بال اور رفتار سے

......بازوؤں کے اوپر بال اور رفتار سے

اب یہ بتائیں کہ انسان کے جسم میں بال ہیں اور ہر ہر بال کی نشو ونما کو جو مختلف تناسب اللہ نے دیا یہ اللہ کے سوا کون اور کر سکتا ہے؟

ورنہ تو یہ قانون ہوتا کہ ایک رفتار سے بال بڑھتے تو اگر پلکیں بھی سر کے بالوں کی رفتار سے بڑھتیں تو کتنی خوبصورت ہوتیں اور بھنویں بھی سر کے بالوں کے حساب سے بڑھتیں تو ماشاء اللہ انسان تو اچھا بھلا بھوت نظر آتا۔ اور بازوؤں کے بال بھی سر کے حساب سے بڑھتے جیسے سر کے بال بڑھتے ہیں۔ ہر ہر جگہ کے بالوں کو بڑھنے کے لیے مختلف رفتار دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی پیچھے ذات ہے جو اس کو کنٹرول کر رہی ہے اور بال بڑھتے ایسے ہیں کہ انسان خوبصورت نظر آتا ہے۔

ہڈیوں کے بڑھنے میں قدرت کی کارفرمائی:

اچھا! اگر سارے جسم کی ہڈیاں ایک جیسی بڑھتیں تو؟ بچے کی ایک ٹانگ ایک شروع میں ایک فٹ ہوتی ہے، جوان ہو جاتا ہے تو پھر یہ کئی فٹ بڑی ہو جاتی ہے۔ اگر ہر چیز اسی رفتار سے بڑھتی تو شروع میں جتنے کان تھے ان کو چھ گنا بڑا ہونا چاہیے تھا۔ تو چھ گنا کان ماشاء اللہ کتنے بڑے ہوتے۔ ٹانگ کی رفتار بڑھنے کی یہ تھی کہ وہ کئی فٹ لمبی ہوگئی۔ ہڈی تھی کئی فٹ لمبی ہوگئی۔ اگر دانت بھی اسی رفتار سے بڑھتے تو انسان تو شاید منہ بھی اپنا بند نہ کر پاتا۔ وہ کون سی ذات ہے؟ جس نے دانت کی ہڈی کو اور رفتار سے بڑھایا، سر کی ہڈی کو اور رفتار سے بڑھایا، جس کی جتنی ضرورت تھی ایسے

بڑھاپا کہ انسان خوبصورت نظر آتا ہے۔ تو وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔

شکلوں کے تفاوت میں قدرت کے کرشمے:

اور پھر مزے کی بات یہ کہ پروردگار عالم نے ہر انسان کو پیدا کیا۔ دیکھو یہ چند Organs (اعضا) ہی ہیں نا؟ آنکھیں ہیں، ناک ہے، منہ ہے، پیشانی ہے۔ چار پانچ چیزوں کے اندر انسان کا نقشہ بنایا۔ اربوں انسان ہیں مگر ہر انسان دوسرے سے جدا نظر آئے گا۔ آپ اگر کسی پینٹر کو کہیں کہ کچھ شکلیں بناؤ تو وہ دس پندرہ بنانے کے بعد ایک جیسی بنانی شروع کر دے گا۔ اس لیے کہ وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی ناک چند چیزیں ہی تو ہیں تو بناتے بناتے وہ ایک جیسی بنانی شروع کر دے گا۔ اللہ رب العزت وہ ذات ہے کہ اربوں انسان دنیا میں ہیں مگر ہر انسان کا چہرہ دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ہر انسان کا چہرہ دوسرے سے جدا، بلکہ ہر انسان کے انگوٹھے کی جو لکیریں ہیں وہ دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔ یہ کس ذات نے ایسا کیا؟

اگر چیزیں خود بخود بنتیں تو شکلیں بھی ایک جیسی ہوتیں۔ ہر ایک کو مختلف شکل جو عطا کی تو یہ میرے پروردگار کا کام ہے۔ وہی زمین ہے اور وہی پانی ہے۔ ایک پھول کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ ایک کا نیلا ہوتا ہے، ایک کا پیلا ہوتا ہے۔ مختلف پھل زمین سے نمکیات لیتے ہیں۔ ہر ایک کا ذائقہ جدا ہوتا ہے۔ تو ایک زمین اور ایک پانی ہے مختلف چیزوں کو پیدا کر دینا یہ اللہ رب العزت کا کام ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ کی ایک انوکھی دلیل:

کسی نے پوچھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو کیوں مانتے ہیں؟ کہنے لگے دیکھو! شہتوت کا پتہ تھا اس کو بکری نے کھایا تو دودھ بنا۔ ہرن نے کھایا تو اس میں نافے میں مشک بنا۔ ریشم کے کیڑے نے کھایا تو ریشم بنا۔ شہد کی مکھی نے کھایا تو شہد بنا۔ ایک ہی

پتہ ہے۔ مختلف جاندار اس کو کھا رہے ہیں اور ان میں سے مختلف چیزیں بن رہی ہیں تو انسان بھی کبھی ایسی دس پندرہ مشینیں بنالے ناں کہ اس میں پتے اور پانی ڈال دے، پھر اس میں سے شہد نکل رہا ہو۔ اور دوسرے میں پتے اور پانی ڈال دے، اس میں سے دودھ نکل رہا ہو۔ اور تیسری میں سے مشک نکل رہا ہو اور چوتھی میں سے ریشم بن کے نکل رہا ہو۔ انسان ایسی مشین بنا سکتا ہے؟ نہیں بنا سکتا۔ تو یہ پروردگارِ عالم نے بنائی ہیں۔ اس لیے اللہ رب العزت کے وجود کو ہم مانتے ہیں اور ٹھوس جانتے ہیں۔ اس میں کوئی کچی بات نہیں ہے۔

پختگی کس کے ایمان میں ہے؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے وجود پر سو دلائل لکھے ہیں۔ ایک مرتبہ جا رہے تھے تو شیطان نے کہا جی سناؤ! کیا کام کیا؟ تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کے وجود پر سو دلائل جمع کیے ہیں۔ وہ کہنے لگا: یہ کیا بات ہوئی، مجھے بیان کرو میں دلیلیں توڑ دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جی! میرا ایمان بہت پکا ہے۔ کہنے لگا: مناظرہ کرنا ہے تو کرلو، پھر اس نے کہا دیکھو آپ کا ایمان کچا اور یہ جو دیہاتی ہے اس کا ایمان زیادہ پکا ہے۔ وہ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سو دلائل میں نے لکھے ہیں، عالم میں ہوں اور تو کہتا ہے کہ آپ کا ایمان کچا اور یہ جو دیہاتی جا رہا ہے اس کا ایمان پکا۔ انہوں نے کہا: بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تو اس نے کہا: ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔ وہ شیطان دیہاتی کے پاس گیا اور جا کے اسے کہتا ہے کہ خدا موجود نہیں ہے۔ اس نے جوتا اتارا اور کہا: تیری ایسی تیسی۔ شیطان بھاگا وہاں سے اور آ کے کہتا ہے کہ دیکھا اس کا ایمان پکا ہے ناکہ اس نے سننا ہی گوارا نہیں کیا اور آپ نے تو سن لیا اور بحث کے لیے تیار ہوگئے۔ میں کوئی زیادہ وزنی دلیل دیتا تو آپ چپ ہو جاتے اور بات مان لیتے تو آپ کا ایمان کچا اور اس دیہاتی کا ایمان پکا۔ تو ایمان ایسا مضبوط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ رب

العزت کے وجود کا ایمان جتنا ہمارے دل میں پکا ہوگا اتنا ہی پھر ہم اس کی رضا کے لیے عمل کریں گے۔

کدو بڑا اور آم چھوٹا پیدا کرنے میں حکمت:

کسی نے دیکھا کہ ایک بیل ہے اور اس کے اوپر بڑے بڑے کدو لگے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے بڑے کدو اور پتلی سی بیل۔ آگے گیا تو اس نے ایک آم کا درخت دیکھا۔ اتنا بڑا درخت اور چھوٹے چھوٹے آم۔ اس کو نیند آرہی تھی۔ وہ وہاں لیٹا اور کہنے لگا کہ لوگ اللہ کو مانتے ہیں مگر اللہ کے تو کام بڑے بے ڈھنگے ہیں (نعوذ باللہ)۔ اتنا بڑا کدو اور چھوٹی سی بیل اور اتنا بڑا درخت اور چھوٹا سا آم۔ کام کا سلیقہ ہی نہیں۔ یہ سوچتے ہی سو گیا۔ بیچارہ سویا ہوا تھا کہ اوپر سے کسی پرندے نے جو آم گرایا تو اس کی کنپٹی پہ لگا۔ اٹھ کے دیکھا تو کہا: یا اللہ! تیرے کام بڑے اچھے ہیں۔ اگر اس درخت کے اوپر کدو کے برابر آم لگتے تو میرا کیا بنتا۔ جب ٹھوکر لگتی ہے تو ان کو بھی بات سمجھ آجاتی ہے۔ چاہیے کہ وہ اپنے دل کو سمجھائیں کہ ہم اللہ رب العزت کے وجود کو مانتے ہیں اور اس میں کوئی ذرہ برابر شک نہیں کرتے۔ کہہ دیں کہ انسان کئی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ کتنی چیزوں پہ ہم بن دیکھے ایمان لائے۔

ایمان کی حفاظت کی فکر:

یہ اللہ رب العزت کے وجود کے بارے میں دل میں پکا معاملہ ہو کہ اللہ رب العزت نے ہمیں پیدا کیا اور ایک دن ہم نے اس کے حضور پیش ہونا ہے اس کے لیے تیاری کرنی ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کیجیے۔ انسان کے پاس سب سے قیمتی چیز اس کا ایمان ہوتا ہے۔ ایمان سے زیادہ قیمتی چیز اور کوئی نہیں۔ اس ایمان کی خاطر انسان اپنی جان بھی دے دیتا ہے تو شہید کہلاتا ہے۔ تو ایمان ہمارے پاس ایک نعمت

ہے۔ اس نعمت کو اور بڑھانا چاہیے۔ اگر کوئی پوچھے کہ تم مسلمان ہو تو بالکل تسلی سے جواب دیا کریں کہ الحمد للہ ہم اللہ رب العزت کے وجود کو مانتے ہیں۔

ہم قدرت کا مطالعہ کیسے کریں؟

ایک سائنس دان لارڈ کیلون گزرا۔ اس نے لکھا کہ تم جتنا بھی غور کرتے چلے جاؤ گے بالآخر تمہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کو ماننا پڑے گا۔ اور ایک اصول یاد رکھیں کہ اگر آپ اللہ کی نشانیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو **Go in details** (تفصیل میں جاؤ) ظاہر ہے موٹا موٹا دیکھیں گے تو نشانیاں نظر نہیں آئیں گی لیکن جس قدر آپ اس میں غور کرتے چلے جائیں گے۔ اور اس کی تفصیل کھلتی جائے گی اتنا ہی دل سے آواز نکلے گی کہ اللہ تو موجود ہے، جس نے کائنات کو پیدا کیا۔

چونکہ ہم نے مختلف اعمال اور عنوان کے اوپر آپ کو مختلف باتیں سمجھائی ہیں اور یہ اللہ رب العزت کے وجود کو معاملہ اتنا بنیادی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات ہوتے ہیں تو ذہن میں بات آئی کہ اس کو بھی ذرا صاف کر دیا جائے تاکہ اگلی پچھلی باتیں سمجھنی آپ کے لیے آسان ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس ایمان کو مزید بڑھانے اور چمکانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ حضرات جو اپنے گھروں سے یہاں تشریف لائے آپ کا آنا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ رب کریم ان راتوں میں ہمیں رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کی رات میں عبادت کی سعادت نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطباتِ فقیر (چوبیس جلدیں)
- مجالسِ فقیر (سات جلدیں)
- مکتوباتِ فقیر
- تصوف و سلوک
- عشقِ الٰہی
- عشقِ رسول
- حیاتِ حبیب
- با ادب با نصیب
- لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- حیاء اور پاکدامنی
- دوائے دل دل
- تمنائے دل
- سکونِ دل
- سکونِ خانہ
- عمل سے زندگی بنتی ہے

- اللہ والوں کے تڑپا دینے والے واقعات
- مجالسِ فقیر (مبوب)
- مہلک روحانی امراض
- گھریلو جھگڑوں سے نجات
- مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- سوئے حرم
- میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی طلب میں
- محسنینِ اسلام
- شرم وحیا
- ایمان کی اہمیت
- علمِ نافع
- زبدۃ السلوک
- مغفرت کی شرطیں
- کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- یہ رشتہ ہمیشہ سلامت رہے گا
- زلزلہ

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

مکتبہ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- مسجد الفقیر الاسلامی نویہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0477-625454
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
- مکتبہ الشیخ، 445/3، بہادر آباد، کراچی 021-4935493
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ، نوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب شیخو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

0300-834893 , 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد